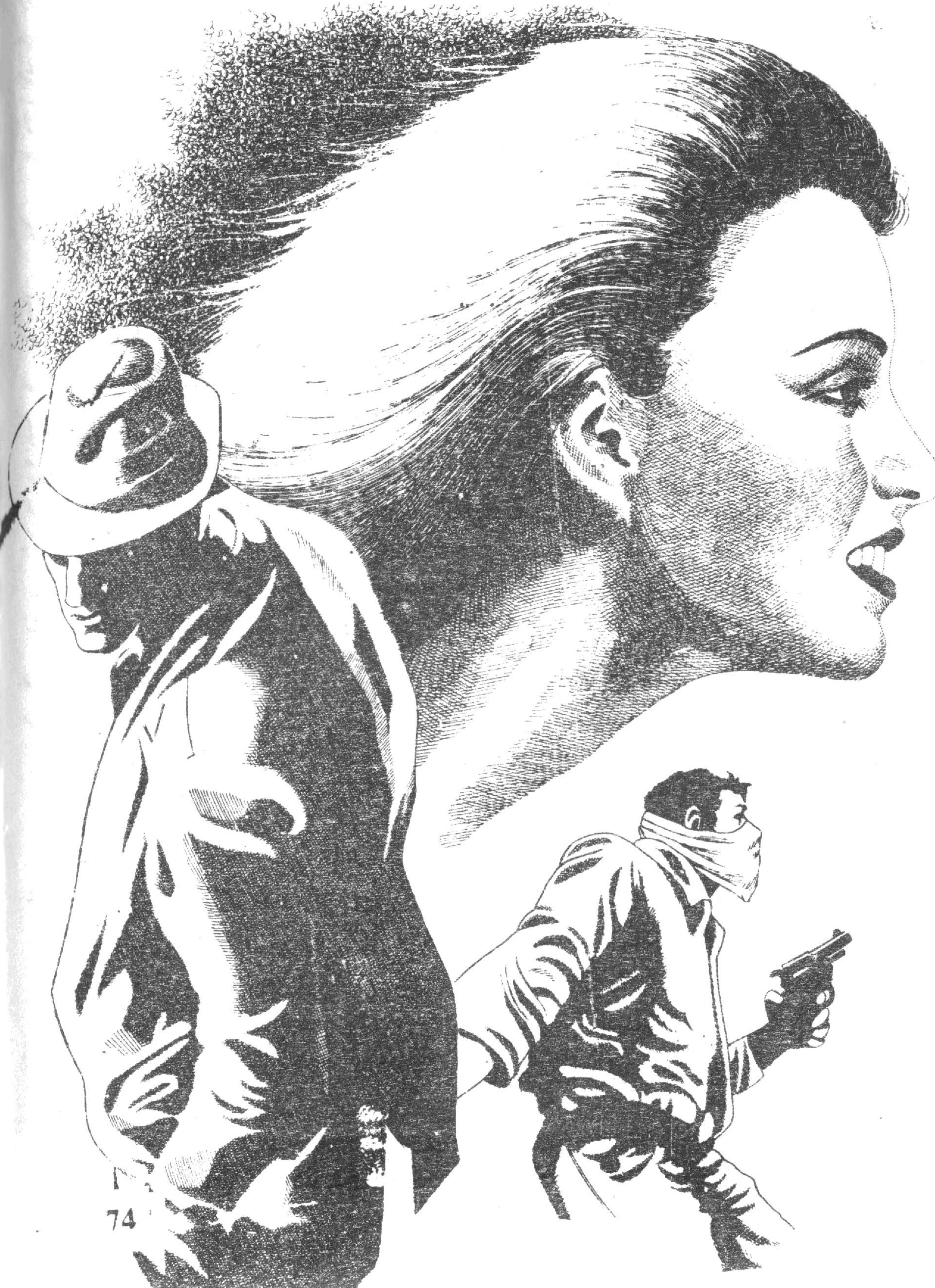


الوکھل قاص

ابنے صفو

آپ کے محبوب اور ہر دن بیرون مصنف ابن صفو کی مقبول علام تحریر جو سکھی مسٹر نہیں سکتی۔ ابن صفو کی جاسوسی دنیا کا ایک مکمل مناول



سورج دُور کی پہارلیوں میں جھک رہا

میں شنکی کی پیدا ہو گئی تھی۔ اور ہر کچھ دنوں سے بڑی سخت گرمی پر ڈھی بھی یوم صرف دن ڈھلے ہی اس قابل ہوتا تھا کہ لوگ باہر نکل سکیں۔ شامیں اچھی گز تریں اور راتیں حسب محل ویسی ہی ہوشیں دن کے لیے رام گڑھ خاص طور سے مشہور تھا میں دن میں اتنی گرمی رام گڑھ کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ دہان کے باشندوں کا کہنا تھا کہ ان کے ہوش میں اتنی سخت گرمی نہیں پڑی۔

بہر حال میدانوں سے آئے ہوئے لوگ سورج رہے تھے کہ اگر لو رائزن اسی طرح گزر الودہ اچھے خارے اجنبی ملائیں گے کیونکہ گرمی ہی سے بھاگ کر انہوں نے رام گڑھ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ لی تھی۔

وہ ایم اور ہائیڈروجن بھول کا تجربہ کرنے والوں کو گھلیاں دیتے جن کی وجہ سے ساری دنیا میں ٹیر متوقع مونی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ زہری ہوشائیں جانے لگی تھیں اور ایسی باشیں جو نہ لگی تھیں جن کے پانی سے جسم پر آبے پڑ جاتے تھے طرح مرح کی وبا فی بیماریاں چھیلتی تھیں۔ وہ بڑی طاقتوں کے نام کو دتے جو بعض ایسی تجربات سے ایک دسمے کو مر سعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں میں بھکتا نہیں بھی پڑ رہا تھا جو طاقت یا "نا طاقتی" کسی سے بھی سروکار نہیں رکھتا چاہتی تھی۔ رام گڑھ کا نچلا طبقہ تو گویا یہ موت مر رہا تھا۔ اس کی روزی کا ذریحہ دوسرے میں گلاب لگانا چھوڑ دے تو،" بخواں مت کرو۔ گلاب کی بات نہیں ہے بلکہ ایک آدمی نہیں کیتے تو ز نظر وہ دیکھ رہا تھا، جب وہ تمہاری میز پر آئی تھی۔

"اوہ! تو میں ایک آدمی کے ذر سے اس لڑکی سے ملنا چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں۔" فریدی خشک بھجے میں بولا۔ میں استھانہ نہیں کوتا کہ تم سورج کے لیے لفگنوں کی طرح جھگڑا کرتے بھرو۔" اور لیس رہنے دیجیے۔" حمید نے بھی ناخوشگار بھیجیں کہا اور کمر سے باہر نکل آیا۔

سورج اب غروب ہو چکا تھا اور آفیق میں کئی زنگوں کے لہر یہ نظر آئنے لگتے تھے۔ ان دنوں کا قیام یہاں کے سب سے بڑے ہوئے۔ سر ادا نہیں تھا۔ حمید کمرے نے نکل کر سیدھا اس بائیک کی طرف جایا تھا جہاں شام کی تفریحات کے لیے میزین لگائی جاتی تھیں۔

اس کا مود فریدی کے الجھنے کے باوجود بھی خراب نہیں

ہوا تھا اور بھری کوئی نبی بات نہیں تھی۔ فریدی ہر وقت ہی لڑکوں کے متعلق اُسے بُور کرتا رہتا تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ الگ کوئی دن خالی جانے والا نظر آتا تو محمد خود بھی ایسے تذکرے پڑھ رہا تھا لڑکوں کی بات نہیں آتی۔

باغ کے کنارے کھڑے ہو گیا اس نے دوچار گہری سایر میں اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ قصہ کے میدان کے چاروں طرف القاعدہ میزین نظر آرہی تھیں۔ یہاں شوما کھلے ہی رقص ہوا کرتے تھے۔ رقص گاہ کا فرش پختہ اور بہت جتنا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی خوب صورتی سے باغات ترتیب دینے کئے جن کے سلسلے دُرستگ چھپتے ہوئے تھے۔ انہیں باغات میں دوسری تفریخ گاہیں بھی تھیں۔ نہ لٹکے لیے سختہ تالاب، میں کوئی اور ان کے علاوہ بھی کمی نہیں۔ یہاں کھانا کھانے کے لیے ایک اعلان نے اس کی تھی جس کے متعلق ابھی ابھی فریدی سے بھرپور ہو گئی تھی۔

اس ہوشی میں قیام کرتے ہی اس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی پاکل معمولی طور پر۔ ایک رات حمید اس سے رقص کے لیے درخواست کر رہا تھا اور بھران میں جان پہچان ہو گئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بعد تک وہ حمید کو غیر معمولی طور پر پچھا اور لکھ معلوم ہوئے۔ اس کا نام زوبیا تھا۔ دیسی ہی لڑکی تھی تک حمید نے اس کی قومیت کے بارے میں استفسار نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عورت بجا نے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اُسے رنگ و نسل کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس کا نظریہ تھا لیکن وہ نظریے پر بحث کرنے سے ہمیشہ کتراتا مہتا تھا بہر عالی اس نے زوبیا سے اس کے مذہب یا قومیت کے بارے میں پچھے نہیں لو چکا۔

وہ یہاں تنہا ہی مقیم تھی اور اس نے حمید کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا۔ ماٹکر دفن خاموش ہو چکا تھا اور اب پھر سرپری قہقہوں کے ساتھ پہاڑی جینگروں کی زیں ریں ہیں۔ "خروف ہو گئی تھی۔" کے لیے یہاں آتی ہے اور نہ اس نے بتایا کہ وہ کجا سے آتی تھی اور نہ اس نے بتایا کہ وہ خود مختلف تھی یاد العین فی بیانہ عمر مشکل میں سال ہو گی اور حمید کا اندزادہ تھا کہ وہ غیر شادی شدہ۔ اس سے حافظتیں بھی سرزنش ہوتی تھیں، دلچسپ حافظتیں اور ان میں اتنی بڑتگی ہوتی تھی کہ حمید انہیں تصنیع سمجھنے پر بتایا نہ تھا۔ دیسی عام طور پر اس کی حرکات و سکنات سے المعنی قدر ہوتا۔ صورت دشکل غیر معمولی نہیں تھی۔ اس وہ جوان تھی،

اور اس کی سرگوشی کسی سانپ کی پچھکار سے کم نہیں تھی۔
"کیا اطلب؟" حمید بھی کسی غصے بھر رہے کی طرح غرباً۔
"اس کے پیچے کیوں پڑ گئے ہو؟ میں کہی دن سے تھیں دیکھ رہا ہوں۔"
حمید نے غوس کیا کہ وہ نہیں میں ہے۔ اس نے باختہ پلا کر کہا۔

"جاوہ اپنی راہ لو، میرا مانع نہ خراب کرو۔"
اگر تم نے اسے چھپا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"
حمید نے پھر اسے کھو رکھ دیکھا۔ وہ ایک کافی مضمون آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قدیم کے قدر سے بھی کچھ نکلتا ہوا تھا اور کلائیوں کی بڑیاں بہت چوڑی تھیں۔ پیشافی پر کئی جگہ چوٹ کے لشان تھے۔ تم کیوں بخواں کر رہے ہو؟ حمید پاش پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! تم کھوے میرا مقابلہ کرو گے؟" اس نے تھنخا نہ اندازیں کہا تھا کہ حمید کا اللہ لا تھا اس کے مُسٹہ پر پڑا اور وہ لڑکھرا تھا ہوا دو تین قدم پیچے ہٹ گیا۔
لیکن اس کا جوابی حلہ پڑا شدید تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے میز پر ڈھیر ہو جانا پڑا اکیوں کا اس کے آگے بڑھتے ہی حمید نے میز پر ٹھوکر مار دی تھی۔ دوسری بار حمید نے اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا لایا اور اس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی شہری پر ایک مکا جڑو یا۔ وہ اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔
چاروں طرف سے لوگ درپڑے۔ حمید نے سوچا کہ بات بڑھ جائے گی لہذا کم از کم فریدی کے عتاب سے بچنے کا انتظام تو کریں لینا چاہیے۔ لوگوں کے قریب پہنچنے سے پہلے ایک بار پھر وہ اس سے پڑت پڑا اور بھرا نہیں دوسروں پر نہیں آتی۔
"یہ گرد کٹھے ہے یہ حمید نے دوبارہ اس پر علاوہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جھوٹے... دغا باز... خاموش رہو گو۔"

اس نے میری حیب سے پرس نکالا ہے۔" حمید نے لکھا کر کہا۔" وہ اس کے پاس موجود ہے۔" لگوں نے دراز تھا اس کے گرد کھیراں دیا دلوں میں عکس رہو تھی بھی پس حمید نے دوسروں کو حق طلب کر کے کہا۔" آپ لوگ اس کی تلاشی کیوں نہیں لیتے۔ میرے برس میں میری اصیل اور تین سو بھر رہے ہیں۔" دراز تھا اسی نے جملہ کر جامہ تلاشی کے لیے اپنے دلوں

زوبیا نارنجی سارہ میں بہت نج رہی تھی۔ حمید نے اسے یہاں بھی بے مقصد ادھر ادھر چکلتے دیکھا۔ شاید اسے کسی کی تلاش بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس نے حمید کو ہی بتایا تھا کہ اس کے علاوہ یہاں اور کسی سے اس کی جان پہچان نہیں ہے۔ حمید نے سوچا کہ وہ اس کریم ختم کر کے ہی اٹھے گا۔ لیکن باس نے یہ بھی محسوس کیا کہ زوجیا سے دیکھو گئی ہے پر چرکا۔ حمید نے پائیں میں تباکو بھرا اور اسے سلکانے ہی جارہا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی؟ یہ بھی اس کی دلست میں نامکن ہی تھا۔ وہ تو ہمیشہ خود ہی لہک کر اس کی طرف آتی تھی۔

حمدت اس کریم ختم کی اور اٹھا گیا۔ زوبیا بھی طبیعتیں متفق بلکہ ایک گوشے میں کھڑی ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو کافی تھا۔ کے بڑے غبارے کو اڑانے کے لیساں میں آگ لگا رہتھے۔ حمید اس کے قریب بہنچ کر کھڑا ہو گیا لیکن زوبیا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمدت نے پائیں سنگایا اور فضایں دھوٹیں کے لہر جیے

بیچھر تاہو اکری کی پیشت میں نک گیا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ دن کی پیش سے پیش کے لیے گھوٹوں میں پند ہو کر بیٹھنے والوں کے نزدیک اس وقت تاروں بھرا آسمان برڑی کیش ش رکھتا تھا اور وہ خود کو جنت ہی میں عسوں کر کر بیٹھے۔

حمدت نے کچھ دیر بعد پائیں کی راکھ جھاڑ کر اس کریم کا

ارڈ دیا۔ اسی وقت دشیکر فون فضایں اور فضایں پیدا کرنے لگا۔

مغلن کہہ رہا تھا۔ یہ مردہ رقصوں کی ٹیم اپ کو حیرت زدہ کر دے گی۔ اتنا تیرا یکش آپ سے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ یاد کیجے

مردہ رقصوں سے پہلے اپنی جگہوں سے ہل بھی نہیں سکتے

رقص کی حالت میں آندھیوں اور طوفانوں کے مٹنے پھر دیئے کلاؤنی

رکھتے ہیں۔ ایک بار پھر سینے، مردہ رقصیں۔

حمدت نے بہت بڑا سائز بنایا۔ مائیکر دفن خاموش ہو چکا

تھا اور اب پھر سرپری قہقہوں کے ساتھ پہاڑی جینگروں کی زیں

ریں ہیں۔ "خروف ہو گئی تھی۔"

اوایریں پر گھوم گیا۔

غفتر کے مارے اس کا بُر احال ہو رہا تھا۔ وہ بھرا پنی

ہے اس کا بیخا اور کچھ ایسے اندازیں پاش پہنچنے لگا جیسے ریو اور

تل کار اس پڑھا رہا ہے۔ زوبیا بھی وہیں کھڑی تھیں لیکن

اس کا بڑھ جیسے اسے بھی اس پر غصہ آؤ گیا۔

اچانک ایک لجم سخیم آدمی آکر حمید کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

لے سرما کر سے تکھی نظر وہ دیکھا۔

لیا دکھ کر، او اور اس لڑکی ہے؟ آئے ولے نے کہا،

اور لڑکی اس کے پاس پہنچ کر گھنٹوں گفتگو کرنے پر بھی حمید اکاہت نہیں محسوس کرتا تھا۔ یہی سب سے بڑی نوبی تھی اس میں۔

وہ اسے رقص گاہ میں تلاش کرتا رہا لیکن وہ نظر نہیں آئی اگرچہ ہوئے زنگار نگ برقی فتحے روشن ہو چکے تھے اور لاؤ فی سیکر پر مقامی و سکارا اداروں کے اشتہارات نشر کے جا رہے تھے۔

حمدت نے پائیں میں تباکو بھرا اور اسے سلکانے ہی جارہا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا اور بہت جتنا تھا۔ اس کے لیے تو ہمیشہ خود ہی لہک کر اس کی طرف آتی تھی۔

"رقصوں کی پارٹی۔" معلم کھمہ رہا تھا۔ یہ ساری دنیا میں اپنی طرز کے انوکھے رقصیں ہیں۔ حیرت انگز اور ہوش اُر افیٹنے والے۔ کل سے آپ ان کے پرد گرام پیرا اُنمزیں دیکھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اینے حیرت انگز کمالات آپ نے آج تک دیکھے ہوں گے۔ تفصیلات کا منتظر کیجیے۔

حمدت نے پائیں سنگایا اور فضایں دھوٹیں کے لہر جیے بیچھر تاہو اکری کی پیشت میں نک گیا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ دن کی پیش سے پیش کے لیے گھوٹوں میں پند ہو کر بیٹھنے والوں کے نزدیک اس وقت تاروں بھرا آسمان برڑی کیش ش رکھتا تھا اور وہ خود کو جنت ہی میں عسوں کر کر بیٹھے۔

یہ اور بات ہے کہ بعد تک وہ حمید کو غیر معمولی طور پر پچھا اور لکھ معلوم ہوئے۔ اس کا نام زوبیا تھا۔ دیسی ہی لڑکی تھی تک حمید نے اس کی قومیت کے بارے میں استفسار نہیں کیا تھا۔ اس کا

خیال تھا کہ عورت بجا نے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اُسے رنگ و نسل کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس کا نظریہ تھا لیکن وہ نظریے پر بحث کرنے سے ہمیشہ کتراتا مہتا تھا بہر عالی اس نے زوبیا سے اس کے مذہب یا قومیت کے بارے میں پچھے نہیں لو چکا۔

وہ یہاں تنہا ہی مقیم تھی اور اس نے حمید کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا۔ ماٹکر دفن خاموش ہو چکا تھا اور اب پھر سرپری قہقہوں کے ساتھ پہاڑی جینگروں کی زیں ریں ہیں۔ "خروف ہو گئی تھی۔"

اسے چھیا قسم کی اشتہار بادی سے بڑی لفڑت تھی اور وہ اسے کم از کم پیرا دا شر کے شیلک شان نہیں سمجھتا تھا۔

چھوڑ دیر بعد اس کرم آدمی اور بھیک اسی وقت اس کی نظر زوبیا پر پڑی۔ وہ شاید اس کے قریب ہی سے گزر گئی تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

وہ بیٹھا اس کرم کھارہ کھا رہا۔

مقابلہ شروع کر دیا یا ایک وہ تین قلا بازوں سے آگے نہ رکھیں کی اور حمید نے پانچ قلا بازوں کے بعد اعلان کر دیا ہے اسی اوپر جائی سے پانچ قلا بازوں سے زیادہ ملک نہیں ہے:

وہ تلاش سے نکل کر اپنی پھری کے بیچ آیا۔ تجھے دیر بعد وہ انکی اس کی طرف آتی دھائی دی جس نے اس سے ڈائیونگ میں مقابلہ کیا تھا۔ حمید انہوں کو بیٹھا گیا۔

”آپ پرے شاذار ہے“ اس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک یورپیں لڑکی تھی۔ مناسب الاعضا اور بہت دل کش۔ اس کے بال سرخی مائل بھورتے تھے اور انہیں گھری نیچی تھیں۔

”تجھے زیادہ مشق نہیں ہے“ حمید نے خالکاری نہ کر۔ ”میرے خدا...“ لڑکی تجھے آمیز تھر کے ساتھ ہوئی۔

زیادہ مشت کی صورت میں تو آپ اڑتے پھری کے:

حمید نے شرماتے کی ایکنگ متروع کر دی۔

آپ کہاں سے آئے ہیں؟ لڑکی نے لپچا۔

”گھر سے... اور در... میر امظا بے نصیر آباد سے۔“

”مجھے ڈالی پر کش کہتے ہیں؟ لڑکی مسکرا گیو۔“

”مم... میں... پرویز ہوں“ حمید ہٹکلایا۔

انہوں نے ممول کے مقابلہ ہوٹل کے رہنمیں فرضی نام درج کرائے تھے۔

”کیا کرتے ہیں؟“

”مم... میں... شکاری ہوں“

”شکاری؟“

”میں... بڑے بالوں والی لوڑیاں اور سور کاشکار میرا ذریعہ معاشر ہے۔“

”اوہ! آپ ہر اعتبار سے وپری آدمی ہیں؟“

حمید نے ایک دشیر کو روک کر کافی کہیے کہا جو پلیٹ

فلام پر ناشتے کی ٹالی لیے بھر رہا تھا۔

آپ کہاں سے آئی ہیں؟“ حمید نے لپچا۔

”میں تاریخ سے آئی ہوں“

آپ کی کرتی ہیں؟“

”میں کچھ بھی نہیں کرتی۔ میرے پاپا نیشنل ائرن فیکٹری میں

اجنبی رہیں۔“

”میرے پاپا بھی زندہ ہوتے تو مجھے بھی کچھ نہ کرنا پڑتا۔“

”اوہ! یہ بات نہیں ہے۔ میں ابھی زیر تعلیم ہوں۔“

تمامگر ان دونوں وہ اس سے کہوں نہیں الجھا تھا۔ جب وہ اور زبیا کھنوں ہوٹل کی تفریح گاہوں میں نظر آیا تو تھے تھے۔ وہ صرف انہیں کہیں تو زنطروں سے دیکھنے ہی پر کیوں اکتفا کرتا تھا اور آج جب زبیا سے بچا نہیں ہی کے انکار کر دیا تو وہ اس

طرح اٹھ رہا۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے؟

کسی نہ کسی طرح اسے نیند اگھی اور رات بھر گرد کث اس کی جیسی صاف گرتے رہے۔ یعنی وہ رات بھرا سی واقع کے متائق نواب دیکھتا رہا۔ پتا نہیں لاشور کی کون سی گرد اس واقع سے متاثر ہوئی تھی۔

دوسری بیج تھا وقت وہ آدمی پھر نظر آیا۔

حمدیکو سے بچا نہیں میں بڑی دشواری پیش آئی۔ اس نے اپنی قسم اور چڑھی ہوئی ہوچیں صاف کر دی تھیں۔ حمید نے سوچا ملک ہے ان لوگوں کی نظر وہ سچے کے لیے اس نے ایسا کیا ہوئے ہوئے بچپنی رات اسے ایک گرد کٹ کر دیں دیکھا تھا۔

جیسے بظاہر اسے نظر انداز کر کے تالب میں تیرتا رہا۔

لیکن حقیقتاً اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ وہ آدمی بھی غسل کر رہا تھا۔ کھنی بارہہ تیر تاہم ہو احمد کے قریب سے بھی گزر ایکن وہ خود بھی حمید سے بے تعلق سانقر آ رہا تھا۔

کچھ لڑکیاں تالب میں ڈائیو کر رہی تھیں جو نہ کم حمید کو اب کسی نہیں دوست کی تلاشی میں ہے اس نے سوچا کے بھی ڈائیونگ میں حصہ لینا چاہیے۔ لڑکیوں کے علاوہ کچھ مرد بھی ڈائیو کر رہے تھے۔

حمدید نے دیکھا کہ ڈائیو کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں

ہے جو چلانگ لگا کر فضائیں قلا بازیں کھاتا ہو اونٹے گلکے۔ وہ سیرھیوں کے قریب آیا۔ تجھے دیر تک گھاس پر بیٹھا

ہوا رہ پڑھنے لگا۔ لوگوں کی نظر میں اس طرف اکھیں کیونکے

ڈائیو کرنے والوں میں ایک نہ آدمی کا اضافہ ہو رہا تھا۔

حمدید نے چلانگ لگا کر ایک قلا بازی کھاتا اور تماشائی تالیاں بھانگے۔ حمید کسی بھلی کی طرح پانی کی سطح پر اسرا اور تالاب کا پھانگ لگاتا ہوا پھر سیرھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ اسیں اس بارہ لکھا لے گی۔

اک لکھا لے گی۔ اسی چلانگ لگا کر فضائیں ایک قلا بازی کھانی۔

اں کے بعد حمید بھی اور پر جا پہنچا۔ اس بارہی چلانگ میں اس

سے نظر میں تھی حمید نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے سکرے ہوئے ہوئے تھی خیج کر اعلان کر رہے تھے کہ وہ زبیا کی شکل آجی نہیں دیکھنا چاہتا۔

چچے دیر بعد وہ وہاں سے بہت بھی تھر حمید فریدی کو تھیں دیکھا تھا۔ وہ ذرا کچھ ہٹ کر اس کے پیچے موجود تھا۔ جب حمید کے پاس سے ہیٹھ ہٹھ گئی تو اس نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

حمدید اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

”کیا قصہ تھا؟“ فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

”تجھے نہیں۔ نہ جانے کون لفڑا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ میری جیب پر ماہنگ صاف کر دے۔“

”ہاں... آں! میں نے بھی تمہارا پرس اس کی جب سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔“ فریدی نے خشک لبھی میں کہا اور حمید کو

گھورتا ہوا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ تم مجھے کہیں اور کسی حل میں بھی چیزیں میں گرفتار ہو گیا ہو۔

”تم اپنا پرس سن جاہل کر تیجھے ہٹے آیا۔ درازقد آدمی کے چہرے پر کئی غرائیں آئی تھیں جن سے خون رہا تھا۔“

”ہم تو پوپس کو ضرور اطلس دیں گے“ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

”لیکن میں اسے تسلیم نہیں کر دیں گا کہ پرس میری جیب سے نکالا گیا تھا۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں؟“

”ہاں میں عجیب آدمی ہوں براہ کوم مجھے تھا چھوڑ دیجیے۔“

اب ان لوگوں نے حمید کو گھیر لیا اور درازقد آدمی کی طرف ان کی توجہ ہٹ گئی۔ حمید نے سوچا یہ نئی مصیبت آئی ایسکے

”اوہ!“ حمید بغلیں جانکھے لگا۔

”تم اب حد سے زیادہ لفڑیوں پر اترائے پڑھیں سے بڑاشت نہیں کر سکتا کم عمر تو اس کے نیے غذوں کی اس لائسنس جو“

”چھر میں کیا کرتا۔ وہ کم بخت لجباں کو کیا تھا؟“

”اوہ! تو یہ وہی آدمی تھا جس کا تذکرہ آئے کیا تھا؟“

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر جانکے لیے مڑ گیا۔

حمدید آہستہ آہستہ اپنا سرہلاتا رہا تھا اور زوبیا سے دوسری بھکرے گھور رہی تھی۔

”مگر... اب وہ کہاں تھا، اس موقع کو مناسب بھج کر وہ پہنچے ہی کھسک گیا تھا۔“ اوگ اس پر اور زندہ بگردے اوسرا نزل حمید پر گئے لگا۔

پھر وہ حمید کی تاویلات سے مطمئن ہوئے ہوں یا زہر تھے

ہوں لیکن انہیں اس کے پاس سے ہٹ ہی جانا پڑا۔ وہ حمید کو اس کی قانون شکنی پر بڑا جلا کہتے ہوئے اپنی اپنی میز دی پڑ گئے۔

”زوبیا قریب ہی کھڑی حمید کو گھوڑ رہی تھی لیکن اس

ہا تھا اور بڑا تھا۔“ اس کی جیبیں مٹوئے رہا۔ پھر بھلا کر کھا کر اس کی جیب سے حمید کا پرس بائیہ نہ ہو جاتا۔ فریدی کے عناب سے بچنے کا صرف ہی ایک طریقہ اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

پرس سے سچائی تین سو بھر تر دیے ہیں نکلا اور اس میں حمید کا ایک فلو بھی موجود تھا۔

”پوپس کے حوالے کرو... پوپس کے حوالے کرو...“

”تمہاں بس اتنا ہی کافی ہے“ حمید بولا۔ میرے پاس اتنا وقت تھیں ہے کہ میں عذتوں میں حاضری دیتا چھروں۔

آپ لوگ براہ کوم اسے جانے دیجیے۔“

درازقد آدمی غاموش کھڑا متعیر اندازیں پیکیں جھیکارے

تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ پاگل کو سینے والی انہیں میں گرفتار ہو گیا ہو۔

”تمہاں اپنا پرس سن جاہل کر تیجھے ہٹے آیا۔ درازقد آدمی کے چہرے پر کئی غرائیں آئی تھیں جن سے خون رہا تھا۔“

”ہم تو پوپس کو ضرور اطلس دیں گے“ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

”لیکن میں اسے تسلیم نہیں کر دیں گا کہ میری جیب سے نکالا گیا تھا۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں؟“

”ہاں میں عجیب آدمی ہوں براہ کوم مجھے تھا چھوڑ دیجیے۔“

اب ان لوگوں نے حمید کو گھیر لیا اور درازقد آدمی کی طرف

ان کی توجہ ہٹ گئی۔ حمید نے سوچا یہ نئی مصیبت آئی ایسکے

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر جانکے مڑ گیا۔

حمدید آہستہ آہستہ اپنا سرہلاتا رہا تھا اور زوبیا سے طرف مڑ رہے۔

”مگر... اب وہ کہاں تھا، اس موقع کو مناسب بھج کر وہ پہنچے ہی کھسک گیا تھا۔“ اوگ اس پر اور زندہ بگردے اوسرا نزل حمید پر گئے لگا۔

پھر وہ حمید کی تاویلات سے مطمئن ہوئے ہوں یا زہر تھے

ہوں لیکن انہیں اس کے پاس سے ہٹ ہی جانا پڑا۔ وہ حمید

کو اس کی قانون شکنی پر بڑا جلا کہتے ہوئے اپنی اپنی میز دی پڑ گئے۔

”زوبیا قریب ہی کھڑی حمید کو گھوڑ رہی تھی لیکن اس

”آپ میرا مددگار اڑاہی ہیں؟“
”اوہ! آپ بھر بھر لگے مریں دراصل آپ کو بتانا چاہتی
میں کہ پُرا سارے کئے ہیں۔“
”دیکھیے! میں ایک سید حاساد اشکاری ہوں۔ مجھے الفاظ
کی الٹ پھر نہیں آتی۔“
”اسی یہ تو وہ ریچر پسدار بجا رہا تھا۔“
”بڑی صحت ہے۔“ حمید بُرا سامنہ بنائے کھلے کھلے
تو کسی آدمی کی کھال کھینچ کر دکھا دوں۔ زیکر تو یہاں نہیں ملے گا۔
”مگر آدمی کے دم کہاں ہوتی ہے؟“
”کیا آپ نے فلسفے رکھا ہے؟“ حمید نے جھینکا کہہا۔
”فلسفے کو دم کی تلاش نہیں رہتی۔“ ڈالی شہیدگی سے
”حالانکہ فلسفی عموماً دار ہی ہوتے ہیں۔“
”پس تو پھر کسی فلسفی کی کھال کھینچ کر دکھا دیجئے۔“
”نہیں، یہ نامنہ ہے کیونکہ مجھے آپ پر حرم آتا ہے۔“
نے کھا اور ڈالی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ دوسرا طرف دیکھنے لگی۔
زوبیا وہاں سے جا چکی تھی۔ حمید ایک بے نام سی الجمن
میں بینتا ہو گیا۔
ڈالی حمید کو جھیرتی رہی لیکن حمید کچھ خاموش سا ہو گیا
تھا۔ یہ حققت سمجھ کر چہلی ہی ملاقات پر زوبیا خود کے ہی پورا سارا
معلوم ہوئی تھی۔
اب وہ بھی اخنا جاہستا تھا لیکن ڈالی بھی گئی تھی۔
”مجھے بھی شکار کلبے حد شوق ہے۔“ اس نے کہا۔
”ہر شر لفڑی وورت کو ہونا چاہئے۔“
”کیوں؟“
”شر لفڑی عورتیں شوہر کو گولی نہیں مار سکتیں لیکن اگر شمار
دینے کو دل چاہتا ہے لہذا اگر شوہر کے بجائے ریچرپل، پر
ماں صفات کیا جائے تو قانون کو بھی کوئی اختراض نہ ہو گا۔“
”تو کیا آپ بھی...“ وہ بے ساختہ نہیں پڑی اور بمشکل
تمام کہہ سکی۔ شوہر سے مالکس ہو کر ریچروں کا شکار کرتے ہیں۔
”نہیں،“ اب میں ریچروں سے مالیوں ہو کر بیوی کے باپ
کی تلاش میں ہوں۔“
”کیا آپ کہی یوں ساختہ نہیں ہیں؟“ ڈالی نے پوچھا۔

”کتنی بڑی ہوتی ہے ریچر کی دم؟“ ڈالی نے پوچھا۔
”کافی بڑی ہوتی ہے لیکن زیادہ خاندانی قسم کے ریچروں
لی دیں کافی سے زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔“
”حید خاموش ہو گیا اور ڈالی کافی دیر تک ہنسنی رہی۔
”آپ بڑے دچکپ آدمی مسلم ہوتے ہیں مگر مجھے اس
پر بھی شبہ ہے کہ آپ کوئی پیشہ درستکاری ہیں؟“
”کیا آپ کے اس شبہ کی پیشہ مجھے شکار ملتا ہے؟“
جانے کا،“ حمید نے ناخوشگوار ہیچے میں کہا۔
”ارے آپ تو نارام ہو گئے؟“ ڈالی جلدی سے بولی۔
”میں نے تو یوں ہی مذاقہ کیا رہا تھا۔“
”خیر ہو گا۔“ حمید نے بے پرواںی سے کہا اور کافی کی پیالی
ایک طرف ہٹا کر پاپ میں تباہہ جھرنے لگا۔
زوبیا اب بھی دیں تھی لیکن وہ آدمی جا پچا کا تھا۔ اب
حمد نے اس کے پیچے پر طیرانہ کے آثار دیکھے۔
”کیا آپ اس ترکی کو جانتے ہیں؟“ دعفہ ڈالی نے پوچھا۔
”یکوں؟“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا والا۔
”وہ آپ کو بار بار اس اللذاتیں گھوڑتی ہے جیسے آپ
نے اس کے ساتھ کوئی زیلوں کی ہوتے ڈالی نے بھی کہا۔
”ہو سکتا ہے۔“ حمید نے خشک ہیچے میں جواب دیا۔
”یہ اپنے دشی بیگ میں ایک چھوٹا سا پتوں کھتی ہے۔“
”نہیں؟“ حمید کے ہیچے میں تھی تھا۔
”ہاں... ہاں، میں نے خود دیکھا تھا۔ یعنی جاردن پہلے کی
بات ہے۔ اس حومن کے قریب چہاں ہجود سے رنگ کی لمعنے
بیٹھی رہتی ہے۔ اس کے ہاتھ سے دشی بیگ گریسا تھا وہ
شاید اسے کھوں گر کوئی چیز نکال دیجاتی۔ وہ گرا اور اس کی
بیزیک گھاس پر بچھر گئیں۔ ان میں ایک چھوٹا سا پتوں بھی تھا۔
”میں ہن ہے وہ سگریٹ لاٹر سر رہا ہو۔ آج کل پتوں کی
سافت کے سگریٹ لاٹر سر عام ہیں۔“
”ہو سکتا ہے مگر یہ لڑکی دیے ہیں بھی بے حد پر اسرار معلوم
ہوتی ہے۔“
”پُرا سارا... پُرا سارا...“ حمید اپنی پیشانی رکھتا ہوا۔
”میں آج تک یہ نہ بخواہ کیا ہے پُرا سارا کیا بلائے؟“
”اگر کوئی ریچر کی برفنے تو وہ پر بیٹھا تھا۔“
”یا تھا ہر اپا یا جائے تو ہم اسے پُرا سارا ریچر کہیں گے۔“ ڈالی نے
کہا اور بے ساختہ نہیں پڑی۔

شکار کیتیے ہیں؟“
”بھی ہاں!“
”میں نے شاید جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ قطبین کے ریچر پرے
خطرناک ہوتے ہیں۔“
”ارے کچھ بھی نہیں۔“ حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ”میں
نے ایک بار زندہ ریچر کی کھال کھینچ لی تھی۔“
”ڈالی ہنسنے لگی اور حمید نے بُرا سامنہ بنائے کہا۔“ ڈالی
اے بجو اس سمجھتی ہیں؟“
”نہیں... نہیں۔“ ڈالی بخیڈگی انتیار کرتی ہوئی بولی۔
”مجھے وہ واقعہ فرور سنائیے۔“
”کون سا واقعہ؟“
”وہی کہ آپ نے زندہ ریچر کی کھال کیے کھینچ لی تھی؟“
”ہاں... آں... وہ واقعہ ہوں ہے کہ ایک بار میں نے
ساتھی شکاریوں کے سامنے بڑے دعوے سے کہہ دیا کہ میں
زندہ ریچروں کی کھال کھینچ سکتا ہوں۔ وہ لوگ اسے مذاق
مجھے لیکن بات بڑھ گئی۔ ایک لمبی شرط کے بعد میں نے انہیں
تماشا دھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ ایک خاص قسم کے کارتوں
بنانے کے جوں میں گولی کی بجائے لمبی لمبی میغیں فٹ تھیں۔ میرا
وہ دعویٰ تھی میں اسی مذاق ہی میں ٹل گیا تھا۔ ان میں سے کئی بھی
بادر کرنے پر تیارہ تھا کہ میں کسی زندہ ریچر کی کھال کھینچ لوں
گا۔ اتفاق سے ایک دن ایک ریچر میں گیا جو بہت کے ایک
تودے پر بیٹھا تھا۔“
”شکاری بھی خواب دیکھتے ہیں؟“ اس نے حرث سے پوچھا۔
”کیوں... ارے شکاری۔“ حمید ایک ٹھنڈی سانس سے
کر لے۔ ”شکاریوں کے خواب تو...“
غیر ارادی طور پر حمید کی نظر زوبیا کی جھتری کی طرف اٹھ گئی
اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا لیکن اس کی جھتری کے قریب وہ آدمی
 موجود تھا جس سے پہلی رات حمید کا جھگڑا ہوا تھا لیکن وہ زوبیا
کی طرف متوجہ نہیں تھا اور نہ ہی حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ دونوں ہی اس کے لیے جبکہ ہوں مگر
زوبیا کچھ بھرا فی ہوئی میں نظر آرہی تھی۔
”آپ؟“ ڈالی نے اسے مخاطب کیا۔ ”بات کرتے کرتے
اور کچھ سوچنے لگتے ہیں۔“
”ہاں... آں،“ مجھے شکار کا یہ یاد آتی ہیں جہاں حد نظر
تک برف ہی برف ہوتی ہے اور ہم اسکا نیز پر تیرتے چلے جاتے
ہیں۔ کبھی سفید بھر لیوں سے مقابلہ ہوتا ہے اور کبھی قطبین کے
سفید ریچروں سے اور... وہ کتنا حسین ماخول ہوتا ہے۔
”قطبین!“ ڈالی نے حرث سے دُھرایا۔ ”آپ قطبین میں

ویژرنے کافی کی ترے ان کے سامنے رکھ دی اور جو سلسلہ
بھرنے لگا۔ دفعتہ اس کی نظر بائیں جانب اٹھ گئی۔ تھوڑے
ہیں ناصل پر زوبیا ایک جھتری کے نیچے میٹھا نہیں گھوڑہ بی
تھی۔ حمید بھر دالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
”بس تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ تیز ہو جائیگی۔“ ڈالی
کہہ رہی تھی۔ اور ہمیں گھروں میں بندہ ہونا پڑے گا۔
”اگر آپ موسم کے متلئ کفتگو نہ گھریں تو میں بے حد مکھور
ہوں گا۔“ حمید نے کہا۔
”کیوں؟“
”بس یوں ہی، مجھے الجمن ہوتی ہے۔“
”واقعی موسم کے متلئ کفتگو بور معلم ہوتی
ہے۔“ ڈالی ہنسنے لگی۔
”جید کچھ نہ ہو لے جاؤ۔“ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر زوبیا کس قسم
کی لڑکی ہے۔
”ڈالی کافی بیتی رہی اور حمید کی کافی ٹھنڈی بھی ہو گئی۔“
”کیا آپ کو لڈ کافی کے عادی ہیں؟“ ڈالی نے پوچھا۔
”اوہ...“ حمید جو نک کر کافی کی پیالی کی حرف دیکھنے کا
پھر نہیں کر لے۔ برازیلی کافی مجھے ہمیشہ خوابوں کے جزیرے سے
میں پہنچا دیتی ہے۔“
”شکاری بھی خواب دیکھتے ہیں؟“ اس نے حرث سے پوچھا۔
”کیوں... ارے شکاری۔“ حمید ایک ٹھنڈی سانس سے
کر لے۔ ”شکاریوں کے خواب تو...“
غیر ارادی طور پر حمید کی نظر زوبیا کی جھتری کی طرف اٹھ گئی
اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا لیکن اس کی جھتری کے قریب وہ آدمی
موجود تھا جس سے پہلی رات حمید کا جھگڑا ہوا تھا لیکن وہ زوبیا
کی طرف متوجہ نہیں تھا اور نہ ہی حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ دونوں ہی اس کے لیے جبکہ ہوں مگر
زوبیا کچھ بھرا فی ہوئی میں نظر آرہی تھی۔
”آپ؟“ ڈالی نے اسے مخاطب کیا۔ ”بات کرتے کرتے
اوکھے سوچنے لگتے ہیں۔“
”ہاں... آں،“ مجھے شکار کا یہ یاد آتی ہیں جہاں حد نظر
تک برف ہی برف ہوتی ہے اور ہم اسکا نیز پر تیرتے چلے جاتے
ہیں۔ کبھی سفید بھر لیوں سے مقابلہ ہوتا ہے اور کبھی قطبین کے
سفید ریچروں سے اور... وہ کتنا حسین ماخول ہوتا ہے۔
”قطبین!“ ڈالی نے حرث سے دُھرایا۔ ”آپ قطبین میں

اپ کے

ہیں۔ ”ڈالی نے چڑھ کر کہا۔

”اگر کہے ہیں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی تقویر کروں گا۔“

”شتاب۔“ اس نے جھینپھی ہونے اندازہ میں کھا اور

تلااب پس چھلانگ لگاوی۔

جمید اسے شرتا دیکھتا رہا پھر وہ بھی اٹھا کر پرس پیٹے

اور ڈال سے پل پڑا۔ رہا میں وہ حوض پر تاختا چھاں جھوٹے سے

کی لال ہر وقت تیرتی ہر ہی پانی جاتی تھی۔ جمید اس بیٹھ کی کھانی

کرنی بلائیں چکا اپنا اور ماس کی ہنسی بھی اڑا چکا تھا۔ فیصلے

لڑکاں اس میں عالم طور پر بے حد و بیضی ایسی تھیں۔ کھانی، ہی

ایسی تھی کہ وہ بیٹھ بلائیں کیلئے بھی بھی جا سکتی تھی، ہمیں

بلائیں کا جزو اسی تھا مگر ایک دن فرط کو سانیس نے میں

یا پھر اس دن سے مادہ بیٹھ حوض میں باہر نکلنے نہ ہیں

دیکھی تھی۔ اگر کوئی اسے باہر نکالنے کی کوشش کرتا تو وہ تیرتی

بیسلا رکا ٹھنڈے کو دیکھتی اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگتا۔

حوض کے قریب جمید کو زوبیا پھر نظر آئی لیکن جمید کو

دیکھتا تھا اس کے پڑھتے تھی۔ جمید کو پھر بے شکا شاغرہ آیا لیکن

وہ غصہ رفتار پر اترائیں گے وہ تیرتی سے چلتا ہوا اس کے قریب

سے گزر کر آگے نکل گیا۔

اسکی دن تین بجے شام کی بات ہے۔ اچانکہ پیرا دامنی

سبتی پھیل گئی اور اس سنتی کی ذمہ دار بظہول کی ”سونتی“

تھی۔ جمید تک یہ واقعہ فریدی ہی کی زیارتی پہنچا گیوں کو صرع کے

شل کے بعد سے اس کی طبیعت پچھے بھاری سی ہو گئی تھی۔

اوڑوہ تلااب سے داپی برا بٹکے اپنے کمرے ہی میں رہا تھا

مکن ہے اسے غیرہ ہی نہ ہوتی لیکن چونکا اس واقعہ کا تصور

بہت تعلق خود اسی کی ذات سے بھی تھا اسی ذات سے فریدی آندھی

اور طوفان کی طرح اس کے گھر سے میں داخل ہوا۔

”وہ مر گیا۔“ فریدی اس کے گھر سے گھوڑتا ہوا بیٹھا ہوا۔

”کون؟“

مجبس سے پہلی رات تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔

”میرا دل دکھانے والے اسی طرح مر جاتے ہیں۔“ جمید بیوہ

عورتوں کے اندازہ میں بولا۔

”بکواس مت کرو۔ قم نے خواہ ایک الحجن میں ڈال دیا۔“

”میں نے کیوں؟“ اگر وہ حرج کیلے تو یہ صرف میری بد عملی

کا اثر ہو سکتا ہے اور بد دعاوی سے قانون کو کوئی دیسی نہیں

مگر اپنے پوری باتے بھی تو بتائیں۔“

”اسے جھوڑی بیٹھنے زخمی کر دیا تھا۔“

”ارے تو کیا وہ مجبوری بیٹھ میری خالہ ہے؟“ تیمید جنجلہ

لیا پھر کیسیکچر پک کر بولا۔ ”تو بھر،“

”وہ اپنے کمرے تک پہنچنے پہنچنے گز کرم گیا۔“

”کیا بیٹھنے اس کی گزدن پہنچنی تھی؟“

”نہیں پہنچنی میں کافی تھا۔“

”آپ شاید ابھی ابھی سوکھا تھے میں،“

”اس نے شاید بھلی رات والے جھگڑے کی بجا پر

اپنی موجیں صاف کر دی تھیں،“

”جھگڑا موچھوں پر نہیں ہوا تھا۔“

”تم نہیں بھگ کر کھلتے کون کی حالت سر زد ہوئی تھی؟“

فریدی غصیل بھی میں بولا۔ ”وہ بیٹھ کے کافی نہیں ہوا۔ کوئی

نہیں مر سکتا۔“

”پھر یہ سب کچھ افراہ ہو گی۔ جانیے آلام کیجیے۔ آج میں

طبیعت خلاف میول سمجھ کر نہیں ہے۔“

”اٹھوا۔“ فریدی نے تحملہ بھیجی میں کھما۔

جمید نے ایک ٹوپی سائیں کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ فریدی

کھرہ رہا تھا۔

”کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ اس کی بوت بیٹھ کے کافی

سے واقع ہوئی ہو گی۔ وہ لوگ بھلی رات والے جھگڑے کا بھی

حوالہ دے رہے ہیں میں اور انہیں اس پر حیرت ہے کہ مرنے

والے نے اتنی شاندار موجیں کیوں صاف کر دی تھیں؟“

جمید لباس تبدیل کر دیا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے

ہی اس نے کہا۔ ”شاید ہماری قبروں میں بھی قتل ہوں گے۔

شاعر نے شاید ہمارے ہی کے کھا تھا کہ نمرے بھی جیں نہ

پایا تو کہ حرم ہائیں گے۔“

فریدی کی چورنہ بولا۔ وہ بہت غور سے جمید کی طرف دیکھ

تھا۔ کچھ دیر بھاوس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب اس لڑکے

تمہارے تلققات قریب قرب ختم ہو چکے ہیں۔“

”ہاں یہ غلط نہیں ہے۔ بچلی شام جب میں نے اسے

خاطب کرنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے بھیجا نہ سے انھاں

کرو دیا۔“

”اوہ!“

”اوہ... یہ حقیقت ہے کہ ہم اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب سے نسل جاتے ہیں۔“

”اس اُدھی سے جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟“

”اسی کے متعلق یہیں میں نے کبھی اسے زد بیا کے ساتھ نہیں دیکھا اور نہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں میں

دُور کی بھی جان پہنچاں ہو سکتی ہے میں اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اس زوجی کے پیچے نہ پڑوں۔“

”اس لڑکی کے متعلق قم کیا جانتے ہو؟“

”کہاں سے آئی ہے؟“

”یہ اس نے نہیں بتایا۔ شاید میں نے یہ سب کچھ اپنے

لڑکے کے پیچے تبدیل کیے تھے نہیں بھی جسکتا تھا؟“

”میں نے لباس تبدیل کرنے کو نہیں کہا تھا۔ فریدی کیا

”کھڑے ہو جاؤ۔“ مجھے کافی نہیں تھا کہ کفن پہنہ،

اور قبر میں چھلانگ لگاوو۔“

اتھے میں فون کی گھنٹی بھی۔ جمید نے رسیو راٹھا لیا۔

”آپ تیرنے الٹا دی کہ اسی کی کال ہے۔“

”کنکٹ کرو۔“ جمید نے کھا اور چھوڑ دیں۔“

ایک نسوانی آواز آئی۔ ”ہیلو پروین۔“ مجھے تمہارا شکر گزار

ہونا چاہیئے کہ تم نے اس موزی سے مجھے شفات ولادی کو

میرے خدا، میں اسے کیسے بھلا سکوں گی کیا لیکے اُدھی نے

یہی سے دوسرے کی جان لے لی تھی۔“

”کیا؟“ ”جمید باہم تھے پس میں وھاڑا لیکن دوسری ٹھہر سے سدلہ منقطع ہو چکا تھا۔“

”کیا جوں کے کھرے سے؟“

”نہیں یہ کال یہاں کی نہیں ہو سکتی، شہر کی ہو سکتی ہے۔“

”تم نے غسلی تو نہیں ہوئی۔“ کال میری نہیں ہو سکتی۔“

”آپ ردم نمبر تاکہن ہی سے بول رہے ہیں ناہیں۔“

”بلیں بھی؟“

”تب تو یہ آپ ہی کی کال تھی۔ بولنے والے ردم نمبر

ستادن ہیں اسکا تھا۔“

”تب پھر لوٹنے والے ہی کو غلط فہمی ہوئی تھے۔“ جمید

نے جنجلہ کر رہا تھا جو رکھ دیا۔

”کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”آپ تیرنے الٹا دی کہ اسی کی کال ہے۔“

”کنکٹ کرو۔“ جمید نے کھا اور چھوڑ دیں۔“

ایک نسوانی آواز آئی۔ ”ہیلو پروین۔“ مجھے تمہارا شکر گزار

ہونا چاہیئے کہ تم نے اس موزی سے مجھے شفات ولادی کو

میرے خدا، میں اسے کیسے بھلا سکوں گی کیا لیکے اُدھی نے

یہی سے دوسرے کی جان لے لی تھی۔“

”کیا جوں کے کھرے سے؟“

”نہیں یہ کال یہاں کی نہیں ہو سکتی، شہر کی ہو سکتی ہے۔“

چھوڑ دیں بجد دروازے پر دستک ہوئی رحمید جونک پڑا۔
لیکن ہے؟ آجاو؟ ”حمد نے کہا اور سید حاہ سوکون شیخ
گیا۔ دوسرے ہی لمحے ڈالی دروازہ کھول کر اندر دال
ہوئی۔ اس کے چہرے پر پیشانی کے آثار تھے جید کر سی
سے اٹھ گیا۔

”اوہ! بیٹھو بیٹھو، ڈالی نے کہا۔ اس کی ساتھ
پھول رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر دھیر ہوتی ہوئی بولی ڈیکھا
صیبت ہے۔ آج ہی توہماری دوستی ہوتی تھی۔“

”کیا مطلب؟“

”میں بڑی مشکل سے آپ کاروں غیر معلوم کر کے ہیں
تک پہنچ گوں۔ کیا آپ نے اس بیٹھ کا واقعہ سننا؟“
”ہاں مجھے معلوم ہوا ہے اس نے کسی ادمی پر جلا کیا تھا
اور وہ ادمی اتنا جو ماہقا کا اس کے حلقے کی تاب نہ لائی جائیسا
ڈالی جید کو ٹھوڑے نگی اور جید کو اس کی آنکھوں سے
شبہ جانکتا ہوا نظر آیا۔

”مگر آپ نے ابھی اس نئی دوستی کا حوالہ کیوں دیا تھا؟“
جید نے چھر کہا۔

”وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ پچھلی شام اس کاشکاری پر ہے
سے جھکرا ہو گیا تھا۔“

”اس نے یہ شکاری پر دیز نے بیٹھ کا جھیس بدل کر اسے
بیٹھ کر دیا۔“ جید نے بڑا ساقہ قہقهہ لگا کر کہا۔ اور آپ اس کے باوجود
بھی دوڑی آئیں۔“

”مگر اس کی بکھر اس پر اب بھی نیقین نہیں ہے مگر اسے
آپ کا جھکرا اس بات پر ہوا تھا،“
”کیا ان گدھوں نے پولیس کو نہیں بتایا کہ اس نے
میری جیب سے پرس نکلایا تھا؟“

”جی ہاں اس کا نہ کہہ بھی تھا۔“
”تواب مجھے پولیس کا منتظر ہنا چاہیئے؟“

”یقیناً!“
”تو پولیس پھر آپ فوراً یہاں سے چلی جائیں۔“

”کیوں؟“
”ورثہ شاہد آپ بھی اس معلمے میں الجانی ہائیں۔“

”آپ کو پولیس سے خوف نہیں معلوم ہوتا؟ ڈالی نے پوچھا۔
”مچھے صرف ان لڑکوں سے خوف معلوم ہوتا ہے جو خود
کو بے وقوف ظاہر کرنے کے لئے بندہ منٹ بعد ہی دروازے پر
دستک ہوئی۔ جید نے انہیں دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بادر دی
کا نیٹ موجود تھا۔“

”مطلب وہی لڑکیاں بتا سکیں گی۔“

”ڈالی اُسے جلد بھے خاہوشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔“

”ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زہرا سی ذمہ سے سارے جسم میں پھیلاتا ہے۔“

”میں ڈاکٹر نہیں ہوں کہ اس کے غیل کی تائید یا تردید
کر سکوں۔“

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیوں دوڑی کافی ہوں۔“

”میں آپ شہر کے تحت گرفتار کر لیے گئے تو...؟“
”کافی فائدہ ہوگا۔ وہ رقم پچھے گی جو اس نے پہلی بھکاری
مرن ہونے والی ہے۔ اس طرح نیس مفت سیز لگزار کوں
کا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے رام گزہ بھی کی جیل میں رکھنے کے
”آہا!“ ڈالی مسکراتی۔ تب تو میں پہلی ضرورت ٹھہروں
گی۔ میں دیکھوں گی کہ آپ پولیس کے کس طرح پہنچتے ہیں۔“
”میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“ جید نے خش
بھیجیں کہا۔

”اس نے لاکھوں کو شمشی کی کروہ چلی جائے لیکن ڈالیں
سے سس نہ ہوتی۔ جید کو دراصل فریدی کا خیال تھا۔ وہ سوچ
رہا تھا کہ اگر ایسے میں فریدی آگیا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو جائے لگا۔
”آپ پولیس کو کیا بیان دیں گے؟“ ڈالی پھر بول پڑی۔
”بیان جو کچھ آپ بتائیں گی۔“
”اوہ، شاید آپ پہنچنے نہیں چاہتے کہ میں یہاں ٹھہروں۔“
”اس میں آپ کی بھلانی ممنوعت۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ
بھی پولیس کی لست پر آجائیں۔“

”ڈالی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔“ اچھی
بات ہے لیکن اگر آپ حرast میں نے یہ گئے تو مجھے بے حد
افسوں ہو گا۔“

”میں اس ہمدردی کے لیے مشکور ہوں۔“ جید نے طویل
سانے کر کہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موجودگی میں
فریدی کی واپسی ہو۔

ڈالی چلی گئی۔ جید اب اس کے متعلق بھی انجمن میں پڑ
گیا تھا۔ وہ تو ایک لڑکی تھی ایسے موقع پر مرد بھی اس سے
کی قسم کا تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے لیکن وہ اسے بتانے
آئی تھی کہ پولیس اس پر بھی شبکہ سکتی ہے حالانکہ ان کی جان
پہچان کی عمر ادھر گھنٹے سے زیادہ نہیں تھی پھر بھی اس نے
کویا سانہا سال کے تعلقات کا ساحت ادا کر دیا تھا۔

ڈالی کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ہی دروازے پر
دستک ہوئی۔ جید نے انہیں دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بادر دی
کا نیٹ موجود تھا۔

”پروپریٹر صاحب!“ اس نے پوچھا۔
”جید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا لیکن
اس نے اپنے چہرے پر تحریر کے آثار پہنچے ہیں پیدا کر لیے تھے۔

”کیا آپ پیغمبر کے کمرے تک تکلیف کر سکیں گے؟“
”کس نے؟“

”میرا بھتی جاتی تھی۔“

”اوہ! بیٹھو بیٹھو، ڈالی نے کہا۔ اس کی ساتھ
پھول رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر دھیر ہوتی ہوئی بولی ڈیکھا
صیبت ہے۔ آج ہی توہماری دوستی ہوتی تھی۔“

”کیا مطلب؟“

”کیوں؟“ ”جید نے اس کے گھوڑتے ہوئے لپچا۔
”خوبی۔ ایس۔ پیٹی آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“
”جید کو علم تھا کہ آج کل ڈی۔ ایس۔ پیٹی ماخر ہیں ہے۔
اس کا یہاں سے تباہ ہو چکا تھا۔ جید سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا
چاہئے۔ دفعہ اسے فریدی نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا۔
اس نے آتے ہی کہا۔ یہ خبر سچ ہی تھی کہ وہ ادمی مر گیا
جس سے بچپن رات تھا اچکڑا ہوا تھا۔“

”کیا بھتی ہی کافی کافی کافی کافی؟“
”پتا نہیں جناب! ڈی۔ ایس پیٹی صاحب جائیں۔“
”جید پیغمبر کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں تین پولیس افسر
موجود تھے۔ ایک ڈی۔ ایس پیٹی اور دو سب ان پکڑے۔
ڈی۔ ایس۔ پیٹی نے جید کو پہنچے اور پہنچ کر
کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“
جید کافی شریفانہ نہار میں اس کا شکر یا داکڑ کے
بیٹھ گیا۔
”آپ فریدز کوکب سے جانتے ہیں؟“ ڈی۔ ایس۔ پیٹی
نے پوچھا۔

”کون فریدز؟“ جید نے حیرت ظاہر کی۔
”وہی جس سے بچپن رات آپ کا جھکڑا ہوا تھا۔“
”اوہ... وہ... گرہ کٹ۔“
”آپ اُسے کب سے جانتے ہیں؟“
”اگر میں پہنچے سے جانتا ہوتا تو میرے قریب تک کیوں آتا۔“
”آپ کے پاس کیا بخوبی ہے کہ اس نے آپ کی جیب
سے پرس نکلا تھا۔“

”جن لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے کیا
انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔“
”آپ کسی ایسے ادمی کا نام لیجئے جو اس وقت وہاں موجود تھا۔“

کوئی دنیا کا بُرے بے بُردا داکڑاں رقا مولیں میں ایک قیصہ
بھی نقاہت بھی ثابت کر دے تو میں زندگی بھر کے لیے خطا علامی
رکھ دوں گا۔ یقیناً یہ اسی شرب کا اثر مسلوم ہوتا ہے جو رقص
کے پھر ان لوگوں نے بیان کیا۔

نحو و درج کے پیٹے سنا تا چھا گیا پھر معائن کی آواز آئی۔ آپ نے غور فرمایا، آخر ان مردہ جموں میں زندگی کی لہر کیسے دوڑکی۔ کیا یہ واقعی کوئی تجزہ خطا مگر نہیں یہ مجوزات کا نام نہیں ہے، بلکہ سائنسی دور ہے۔ جب بے جان میشینیں حرکت کر سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ میشینوں کا بینٹنے والا نقاہت کا شکار ہو کر چار پانی سے لگ جائے۔ اگر میشینوں کو پروول حرکتیں لاسکتا ہے تو آدمی ایسی چیزوں سے بھی دریافت کر سکتا ہے جو مردہ جموں کو حرکت میں لا سکے۔ یہ مشروب بے رقص اپنا پروول کہتے ہیں دراصل اسی قسم کی ایک دریافت ہے اور اس دریافت کا سہرا داکٹر اسفندیار کے سر ہے۔ کون الیکٹرے جو اس پر اسرار داکٹر کے نام سے نادیافت ہو۔ اس عظیم الشان نے عوام کی نظر وہ پوشیدہ کر بھی انسانیت کی کسی خدمت کی ہے اس کا اندازہ ہر ایک کو ہے۔ نہ جانے کتنی لا علاج بیماریوں کا علاج اس عظیم آدمی ناپ تک دریافت کیا ہے۔ کیا اس میں سے کوئی بھی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ مشروب اب بتریلی دوستے گز رجکاب ہے۔ غیرہ بے آپ ان جمیں کے نام سے ہر دو افراد سے حرج سکیں گے۔

"لا جوں والا قوہ" فریدی آہستہ سے بُرپا رہا۔ تو یہ تھا کہ
کثر گھوں سے ہے چھے بلند ہوئے اور ایک طرف سے آواز

آئی۔ اعلان کرنے والے کی مانگ پر کوئی بیان صحیح لا فہر
اسی طریقے کے بیتھ رہ جائے گا جسے مجبوب کوچ دیکھ
بپندر میڈیکل موسیقی شروع ہو گئی۔ اس سے پہلے جید کا
کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا لیکن اب وہ اسی میڈیکل کے ساتھ
ایسی میز کی طرف آتا دکھائی دیا جسے فریدی اس کے کمرے میں بھوڑ
کر آیا تھا۔

فہری بیٹھا رہا درودہ دونوں بھی اسی میز پر آگئے۔
وکل میں اس رقص کا اعلان کروایا ہے نول تھما جمید
نے کہا۔

”میں اب بھی اسے اپریل نول ہی سمجھتا ہوں“ فرید کی آہتہ
سے بولا۔

تک پڑھ کیا۔

رقص مجھ طوفانی رقص کا منظاہرہ کر رہے تھے۔
فریدی نے انہیں قریب سے دیکھا۔ اب ان کے چہروں پر
ضمحلال کے بجائے صحت مندر خشی تھی اور آنکھیں حیرت انگیز
طور پر چکر رہی تھیں۔ وہ ناچتے رہے۔ رقص بخوبی تھیز
ہوتا رہا۔ دوسری طرف سازندوں کا بڑا حال تھا۔ ان کے چہرے
پسند سے بھیگ گئے تھے اور وہ بڑی طرح جانت پڑے تھے۔
خصوصاً ان کی مالت بہت ابتر تھی جو پسند سے چونکے جاتے
والے ساز بجاتے تھے۔ پیانٹ کو اپنی انگلیاں لوٹتی ہوئی
معلوم ہو رہی تھیں۔ درائیلینٹ کے بازوں وال ہو گئے تھے۔
رقص ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے بلکہ انہیں رقصوں کا
ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ بیس منٹ گزرنے کے بعد ایک سازندو
اپنی بالسری پھیلک کر کری پر دھیر ہو گیا۔ پیانٹ نے ہاتھوں کی
لیے لیکن رقصوں کے پیرنے کے ساتھ وہ ایک دشاد کر چکے
تھے مگر یہ رفتار بھی شاید عام رقصوں کے لیے کہنی ہے۔

آورھے گھنٹے تک در قصہ ہوتا دیبا اور پھر اچانک رقصوں کے
پیر کے لئے آرکٹسٹرا بھی خاموش ہو گیا۔ وہ ایک قطار میں

بھروسے تھے اور داکٹر ایک بارہ پر ان کا معاشرہ کر رہے تھے جو مدی
بھی ان میں شامل تھا۔ پتا نہیں اس بارہ کے لیے کیا رائے قائم
کی تھی لیکن داکٹروں کی رائے سے اے بھی مشق ہونا پڑا کونکہ
ایک داکٹر ہی کی حیثیت سے وہاں رفقاء صول کے تربیب پہنچ
چکا تھا اور نہ شاید صدیاں گزر جائیں لیکن وہ ان کے تربیب نہ
چاہسکتا کیونکہ ہوٹل کا عملہ عام آدمیوں کو ان کے تربیب جانے
سے روک رہا تھا۔ کچھ دیہے بعد لاڈا سپریکر پر پہنچنے لگا۔
واب سُنبھے اور داکٹر کاظمی کیا فرماتے ہیں۔ ان حضرات نے رقص
سے قبل بھی رفقاء صول کا طیبی معاشرہ کیا تھا۔ اس وقت ان کی
رائے تھی کہ یہ لوگ اپنی جگہوں سے بلند کے قابل بھی نہیں ہیں
لیکن اب سُنبھے داکٹر صاحب ایک بھی فرماتے ہیں۔ داکٹر کاظمی جو کچھ
بھی فرمائیں گے وہ یقیناً داکٹروں کا مستقر فصلہ ہو گا۔

لاؤڈا سپریک خاموش ہو گیا۔ رقص رقص گاہ کے
جا پوکے تھے لیکن ان کی انویں پسیزہ ذہبیں خالی پری میں کیونکہ
دہائی پر فل سے میل کر گئے تھے۔

لادا بیکرے پر آواز آئی "حضرات میں واکر کامی
اپ سے مخاطب ہوں میں عرض کرنے کے لیے صاف ہو امروں کو
پیوس صدی میں بھی بجزات کاظم ہو سکتا ہے۔ اب اگر

نگاہ پیلے ہوئے لبرگ ہیں لیکن ابھی اتنے مگر زور ہیں کہ تباہ
اپنے پیروں کے بیل بھی نہ سکیں۔ ہمیں خیرت ہے کہ آخر دو
رقص کسی مارج کریں گے تو بہر حال ان کے اعصاب کی جو مالی
ہے اس کی پینا یہ کہہا جا سکتا ہے کہ رقص کرنے کی کوشش
انہیں موت کے مرٹہ میں لے جا سکتی ہیں۔ ان کا لامبٹ فیبل
ہو سکتا ہے۔ ہم اُنہیں اس حالت میں رقص کرنے کی لیگاز
لیجی نہ دیں گے۔

ڈاکٹر کے لیے بھر معلم کی آواز آئی۔ جو کہہ رہا تھا اڑاکا
کاشتقر فیصلہ ہے کہ یہ لوگ قص کرنے کے قابل نہیں ہیں
اور یہ فیصلہ ان ڈاکٹروں کا ہے جو ملکہ کے بھرپور دلائی
کیے جائیں گے میں اب آپ دیکھ لے کر کس طرح قص
کرتے ہیں؟

معلم کے آخری الفاظ قص لگاہ کے سکوت میں کاموگے
و فتحہ ایک طرف سے ایک سڑالی شودار ہوئی جس پر
انسان زنگ کے کھی مشروب کے آٹھ کلاں رکھے ہوئے تھے
اور ایک بارہ بجلا وہ اسی پر کھی خلکا۔

”یہ دیکھے! ان بے جان مشنوں کا پڑول آگیا“
ڑائی اتوالہ بیمیر کے پاس ہنچ چکی تھی۔ نہ مردہ تو مول
کے ہونٹ سے گلاس لگادیے گئے۔ شاید وہ اپنے ہاتھوں
سے گلاس پکڑنے کی بھی سکت ہیں رکھتے تھے۔
انہوں نے پنجم زدن میں گلاس خالی کر دیے تھے
بہت لوڑ اور دلچسپی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر آنکھ سڑا موسیقی بکھیرنے لگا اور رقص کاہ میں
چاروں طرف سے فوکس لائٹ پر بنے گی۔ پندرہ مئی
گزدگ کے پھر جیسے موسیقی کلامکس پر تھی۔ ایک سورت
انویلڈ پیپرز سے چھلانگ لکا کو فرش پر آگئی اور گھنگروں
کی جھنکار دوستک پھیلتی چلی گئی پھر گھنگروں کی جھنکاروں
کا طوفان آکیا کیونکہ وہ سب پہنچے وارکر سیلوں سے کوہ پہ
تھے اور حرث انگریز رقص شروع ہو چکا تھا جس کے پیش پہلی

رائٹ سے اعلانات ہوئے اور بھیجے۔ فریدی نے ان داکٹروں کو رفقاء میں کی طرف جاتے دیکھا، جو کچھ دیر پہنچان کا بھی معاشرہ کر رکھے تھے۔ وہ بھی اٹھا۔ وہ ان مقاصوں کو فریب سے دیکھنا مانتا تھا۔

”کیا آپ بھی داکٹر ہیں؟“ ایک آدمی نے اس کے پڑھ کر لوحجا۔
”میں! پہلے میں اسے نہ اق بھاگتا تھا؛“ اس نے کہا اور

پاکستانی زبان

شہری اک نہیں پڑھتا جو یہی کہیں گے
تھی۔ وہ دراصل نہ بیباکی تلاش میں تھا۔

دھنیت اسے انھر بیکاروں کی کربیاں تظریخ نہیں اک
آدمی دھنیتے ہوئے شخص کاہ میں لے رہا تھا۔ ان پر تین
گورنریں اور پانچ مردوں کے ہال پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوا
کہ اتنی بیکاری وہ سنا لہا سال ہے بیکار ہوں۔

لیکے اسی وقت لا اور دا پیکر سے آواز آئی۔
”یہ کچھ یہ آٹھ نیم مردہ تھا میں ہیں۔ بیہل تیاگ کرنے والوں
میں کچھ ڈاکٹر ہی ہیوں کے۔ اگر وہ جا ہیں تو ان کا بھی معافیہ
کے خود کو مٹھن کر سکتے ہیں۔ ہمارا دھوکے کے اس حالت
کو پہنچ گھوڑے لوگ چاہے قدر بھی نہیں جلد سکتے۔ لیکن یہ لوگ
ایک لالکس پر چولی پی کر آندھیوں کے گھنٹوں بھی موڑ دیں
گے۔ کیا ڈاکٹر صاحب اپنا ہرگز شوری تکلیف کو ارادہ
ترہائیں گے؟“

لوك چاروں طرف سے اخنکھ کھلتے۔ وہ میری جیما اسجا
وران آٹھوں انڈیلٹ پیپرز کے گروپسٹکڑوں آدمی نظر آ رہے
تھے۔ لاڈوڑا پیپر سے پھر آ روانہ آئی۔ پھر اہ کرم اب اپنی بیز
ٹشٹ لفینے لے جل دیئے۔ انہیں تازہ ہوا کی قدرت ہے کہیں
یہاں ہو کر ان میں سے کوئی پل بے صون وہ ڈاکٹر سماں
مُہہوں جوان کا موائیز کرنا حاجت ہے ہیں۔“

بھیڑ سٹنے میں بھی تقریباً منت صرف ہو گئے۔ فریدی
نے انہیں دیکھا۔ وہ سچ سچ بہت نزیلہ لائز نظر آ رہے تھے
ورشیں کم عمر بھی تھیں اور سین بھی تکن صاف تھے ان کی ساری
گشتی بھیں لی تھی اور وہ مزدود سے بھی بدر نظر آ رہی تھی۔
اب ان کی کرسیوں کے پاس جھو کدمی نظر آ رہے تھے اور
لائیٹ ٹووپر ڈاکٹر تھے۔ وہ انہیں دیکھتے رہے پھر بیٹھے ہی
اپنی مزدود کی طرف مرے لاڈا بیکرے آوانداشی۔ کیا
پھراتا ہیں یا یہ کب پر تشریف لانے کی زحمت کوارہ اکریں گے تاکہ
خیرے یوں بھی مٹاٹنے کے نتائج سے آگاہ ہو سکیں۔

وہ لوگ جہاں ھے وہیں کہ کہہ مسٹر دکھنے کے
دران میں سے ایک آدمی اس طرف چلا کیا جہاں یا یہیک سخاو
تھے لوگ اپنی میزون کے طرف جعلے آئے۔

خودی دیر لعید لاوڈا شپکر سے آواز آئی۔ ”سم جو دا کروں
ا ان لوگوں کو بغور دیکھا بے۔ یہ مختلف قسم کی بیماریوں سے

گرے کی بیب میں رہوا تو تھا کہاں۔ اس نے
چاروں طرف پوچھا۔ ایک بعد اُنھیں ایک موڑ سائیکل نظر آئی۔
وہ سی کوٹے دوڑ رہا۔ شاید کارروالے جی کا کہ ہو گئے تھے کہ ان
کا تعاقب کیا جائے ہے؟ اس پر اپنے انہوں نے عجیب روشنی کا لکڑ
ڈھونڈی۔

اکس وقت فریضی کے پاس ریپورٹیں نہیں تھیں
وہ بھرپور خال فریضی تھا۔ اس صدی کا سب سے زیادہ جاگہ
اور دلنشستہ آدمی۔ اگر اس کے پاس ریپورٹیں تھیں تو وہ
خالید اس کی میل کو اسی سیچ پر ختم کر دیتے کی کوشش نہ کرتا۔
مودودی اسکے لاملا کا تعاف کرنے رہی۔ ایک بیکار فریضی
نے راستہ کاٹا۔ اسے یہیں تھا کہ وہ اس شرک کے علاوہ اور
لی برائی پر کارنہ مودودی میں کیونگے۔ لامگراہ اور اس کے
لای علاقوں کا جیپ پیپر فریضی کا دیکھا ہوا تھا۔
مودودی اسکے لامگراہ ایک تکمیلی
پروردگار تھا۔ اسی خطرناک راستے پر مودودی اسکے پڑانا بھی
ایک کلام تھا اور بھیج پڑا۔ انہوں نے بیانیں جائز وائی
چڑھاتی ہے مودودی اسکے پیاسی معلوم ہوا گیا۔ اسے
مودودی کیست جستے لگائی گئی۔

ایک بہت بڑی چیان اڑھتی ہوئی نشیب میں جا رہی
شی۔ تھی چیان اس کی موت کا پیغام بھی بن سکتی تھی لیکن یہ
ٹائٹا ہی پرے گا کہ اس کے متارے بھی اسی کی طرح ہر ت
الکریز شی چیان پا اس وقت اپنی جگہ کھلکھلی تھی جب موڑ
سائیکل کا بچھلا پہنچا اس پرے گزر چکا تھا وہ جنم زدن
میں وہ خود بھی اسی چیان کی طرح اڑھتا ہوا سینکڑوں فٹ
پیچے چاکرا ہوتا۔
مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
تلواں کے سکون میں فرق آیا اور تم مولہ سائیکل کی روتابی
میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

بھروسہ رائی دیکھ لیج دو، دیوار ۱۰ ہی سڑک پر تھا اور کار شاید
بہت پچھے رہ گئی۔ اس نے ادم رائی موسیٰ نیکل گورنری
بعد حصے کاٹنے والی ششی۔

مودودیاں کل کرتا آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی اور پھر
اسے تاریک خلا میں کارکی پیدلاٹ کی اُسی ترجیحی کی وجہ نظر
آئی۔ کارا بھی نشیب میں تھی۔
وہ پھر سامنے آگئی۔ فریدی کی مودودیاں کل سڑک پر پہنچی

ساز پیشے چھٹے خالکی گئے۔ ایک بیل کے لیے چاروں طرف
گہرا شکر جیسا کیا اور دوسرے کی بیندھوڑی ہتھے اور قلقاں پیان
نہ ہتھے وہ اپنی مخزوں کی طرف واپس جا رہا تھا۔
فریبی اور کائناتی خاموشی بیٹھے رہے۔ حیران درود والی بی
اینی نظر پر واپس آئی۔ فریبی سوچ رہا تھا کہ اب اسے
اٹھنا پڑے۔

”جیا دا کڑا“ وہ اسی سبز اور لالے
”ادھو“ دلکشی نہیں کر سکتا ”شہرِ خوبی“
فریبی رشکاہ تھیں کہ ”ڈنڈا“ مالکی بڑی بڑائے
ہو گیا۔ وہ زرد پیلے کے مشق سوچ کر رہا تھا۔
ڈنڈا کے ہالیست کی یہ دلکشی دیکھ دیا۔ اس
لکھ کی طرف جعل پڑا۔ وہ فریبی نہیں پڑھتا لیکن دلکشی درہ
زندگی پر ہی نظر آگئی ملکہ وہ فریبی کی طرف نہیں وہ بکھری
تھی۔ فریبی کا اٹھا پاؤں وہ پس مذاہدہ کیجئے تھے کہ بائیں
جانب والے نہیں تاریکی کی کشتی میں جلا گیا۔
زوبیاں ہے بد بھینچنا شاور صدر وہ وانہے کی
طریقہ پڑھنے لگی۔ اس کے پایہ پر نہیں بجا ہے یہ فریبی کی

اب و مطہران میں جل بھی تھی لیکن اس کاٹھ نہ تو
رقص گاہ کی طرف شناور نہ دُستش جل کی جائش بلکہ وہ اس
حصہ کی طرف جانبھی تھی جہاں مقامی کا پک اپنی کاریں باک
کیا کرتے تھے فریدی کردا شاکی پارڈم کی اوٹ سے ہے اس کا تعاشر
کرتا رہا۔ آج کے عادوں شے کے سلسلے میں اسے اس لڑکی کی بیوی پر
بہت ہی بھم معلوم ہوئی تھی۔ وہی آدمی آج مار دالا گیا جو چھلی
رات اسی لڑکی کے لیے جمیعتے لڑکیا تھا اور جو فریدی نے بھلے
بھی کئی پاریہ بات مشکوں کی تھی کہ وہ آدمی اسے کچھ نہ کچھ
تعلق ضرور رکھتا ہے۔

* : دو کو روں کے فریب رہتی۔ دنستہ ایک طرف کے
ایک تاریک سایا اس کی طرف بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوستی
سائے اور تاروں سہرے آسمان کے پیشہ شفیر میں دکھانی دیکھے۔
”یکا حرکت... یکھ پہلو فریدی نے لڑکی کی آواز سنی۔
لیکن دوسرا کے ہی تھے اسے ایک کاریں و مکمل دیا
گا پھر جب تک فریدی فریب پہنچتا کا حرکت میں آگئی۔ اب
اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ رہ گیا تھا کہ وہ اس کے کسی
سے پر فائز رکے اسے بچا کر دیتا۔

لیکر دن پکی دو اکے خواص کٹا لئے جائیں تو شاید اس پر
دھیان دشکی چیز تھت گوارا نہ کرتا تھا مگر اب ایک آپریاں بھیجا
ہوا کوئی آدمی کبھی اس سین کو فراموش کر سکے کافی۔

کرتے نہ ہوں کے لیکن ان کی تقاضت میں کوئی فرق نہیں
آیا۔ وہ اب بھی اس شرط کے سین ملت میں
”بال یہ چیز خود طلب ہے“ واکٹر کاظمی نے تشویش کیں
لیے گے۔

موسیقی کی الہام تھا میں مشترک ہوئی رہیں۔ رہبا کا دور
پیش کر لے تھا یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ آج یہاں کوئی آدمی کسی
لاد شکار کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ سب پڑا بلکہ تھے یہ جو پلے بیاں کل
ایسا ہی لک رہا تھا جیسے ہر فن کے کی خصوصی پر کسی شکاری نے
ڈھونکا ہوا ایک لگڑا اور دوسرے جہاں تکلا ہے جہاں ان کے
دیرے وہیں دوبارہ چینا پیٹھا سفر دع کر دیا۔ اپنے تھیان سے
پیش کر دے دیا۔

صلوٰتیخ نہ ہے۔ تھی بھر تھرک تھے۔ بھر تھے اور رجہ بڑوں
بھر تھے اور سڑوں پنڈ لیاں لیکن وہ شاید جسم ہی جسم نہ تھے۔
شہنشوں کی طرح تھرک تھے لیکن دفعہ ایسا عکس ہوا جیسے
کی سانس نہ ہے لیکن کہا ہوا در پیروں و صربے سڑوں نہ ہے جیسا
کہ روکا کو دیا ہے جیسے بھروسی صدی ہے۔ ناجو۔ ناجو۔
ایک آدمی کی موت یعنی مننمہ جو کرکی کر دے۔ ہو سکتے ہے کہ تم
سب کی بھاولوں کی طرح مر جاؤ۔ زمینہ رو جن بہوں کے چیزات
کے پہنچنے والی مہاباٹیں کہیں چل کر چاہیں کہ تم سب ایک
ایک شستی میں سوار ہو جو دوست خالی ہے۔ یہ کی وجہ
کے مشق سوچ کر کیا کر دے۔ پھر اپنی فلکروں قمر تھیں کے
لیوں کیس ہواں لے کے گھاہی نظروں میں کی جیش کی جی کوئی
امید نہیں رہ گئی۔ تم سب اس بہت بڑے دھنکے کے منتظر
ہو گئے ہاگ کہیں نہ چاہ کر دے۔ ناجو۔ ناجو۔
زین کے حصہ تھے کہ اٹھا کر گئے۔ مشق نہیں کہ خداوند

لے کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ناچوڑی میں اسی طرح کوئی
کام نہیں کر سکتا۔

اور فسیاں مل رہے ہیں اس انزٹیٹیوں کو کون بھال سکے گا۔ لیکن اس
کے طبقہ میں آئے ہے تیر کا دشمن پورٹیجیز کے
اکٹیں تو شکنیں، نیزی تیر بولا یکن مددگار
کی طرف ہیں ویکھو درجہ تھا۔

رسش شروع ہوتے والا کھا۔ لیکن اسکا کوئی خوبی نہ فرمائیں
کیا تو بار بھتے۔ عین دو روز میں اُس کو فریبی دیں
پیچا رہا۔ اُسے اب بھی زندگی کی تلاش تھی مگر وہ کہیں نظر
نا آئے۔

وہ فتحتہ اسکی نظر اس آدمی پر پڑی جو دنگر کاٹھی کے
تم سے ماٹیکروڑ تون پر روا مصوں کے مشتعل پہنچ دلے تھے اور
کھتار بنا لئا۔ فریزی یہ دیکھ کر اٹھا کے دنگر کاٹھی پہنچ پڑے
تھے۔

”اوہ۔۔۔ شریف ریسے ” داکڑ کیا ظل نے گھنی مجنون
منی کے ساتھ کہا ” آپ بھی تو شاید تم لوگوں میں سے تھے ”
” جی مالا ! مجھے بھی پر شریف مالی ہوا تھا۔ تو فردی کرنا
” مجھے اپنی حادثت پر غصہ آمدی ہے ।“ داکڑ کا لئی نہیں کہا ۔

”اُرسکی ہی ای بھائی مدنہ نہیں عطا کریجے تھم کا اشیاء رکھا۔
و لیکن ہماری روپیتھے خلط و تنشیں کئی تو

لیں۔ دو لوگ ہرست اکھر طور پر (درست) نہیں
لیکن اسی پیکے کی وجہ پر جوں کہ نتائج ممکن کا اس انتخاب پر ہوئی
آنہاں میں وہ کھاتا ہے۔

لیں اپنے سوچ ہوں مگر یہ بھری بدلتی ہے کہ
میں نے داکٹر سفیدی کا نام پہلی بارستا جو:-
”میں خود بھی متاخر ہوں لہ نہ اینت کا یہی نئی کوئی
س کا نام میں نے بارہ بارستا ہے اور یہ بھی یقینت ہو گیا
کہ پہنچے امریش کا شافی علاج دریافت کیا ہے مگر میں
ن امراض کو لا علاج نہیں کر سکتا۔“

کیا وہ داکر کیہی شفط عالم پیٹھیں آیا ہے۔
”نہیں۔ اور من ہی نہیں کیا جا سکا ہے کہ وہ منہستا کیں
مگر یہ بھی ایک نئی بخشش ہے۔ کوئی سفید بارہت کی
تھیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی کی ایجاد کو شہرت دریں کے
کوئی ایسا شخصیاً طریقہ اختیار کر سکا۔“

اُنکے آپ سالشِ تینیں کیم کئے، فریبی بولنا، بُجھی
ماشیت پس پڑیں گے تا۔ تیرنا چاہیے اُنگوں

رہی۔ کار سے بارہ دیا گیا اور اس کی رفتاد سمجھ کم ہو گئی۔

”گھاٹا کا بلٹ لوث گیا ہے“ فریدی بھرتائی سمجھنی آواز میں چھپا۔ آگے کا استہ نہیں ہے۔

کارڈ کی اور موڑ سائیکل پارٹیں جانب والے پائیان سے جامگی۔ فریدی نے حقیقتی الامکان کو شش کی تھی کہ اس کا جہرہ تاریکی ہی تھی رہے۔

”بلکن لوث گیا۔“ کسی نے تھیرانہ انداز میں دھرا رایا۔

استہ میں فریدی کا ہاتھ کار کے اندر پہنچ چکا تھا۔ درلوہ کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے حقیقتی آواز

نکلی اور کسی نے کہا۔ کیا یا تھے؟“ لڑکی کا اس طرح پڑھنے میں غائب ہو جانا انتہائی حیرت انگزیر تھا۔ کچھ دیر بعد شارج کی روشنی کا دائرہ ادھر ری گئے تھے۔

لیکن شاید جواب کے لیے اُسے کم از کم دھنٹیں تک منتظر رہا۔ فریدی بے ہوش ہو جانے والے آدمی کی سینڈل نظر آیا اور وہ پہنچا تر تھا۔ لڑکی اس خیال نے اسے مغضطہ کر دیا کہ کہیں وہ پہنچے نہ گئی ہو۔ ایسی صورت میں اس کی ٹہریاں بھی سلامت نہ رہتیں۔ یہ دھلان کچھ ایسی ہی تھی کہ ذرا سی لوزش آدمی کو موت ہی کے جڑوں میں دھکیل سکتی تھی۔

وہ دھلان کے اختتام پر پہنچ کر رکا ہیں زوبیا اسے کہیں نظر نہ آئی۔

”اس کے مذہ پر سے لستہ ہٹاو۔“ فریدی نے حکماز ہیچے میں کہا۔

”تم کون ہو؟“ ایک آدمی اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔“ فریدی کا یہ بہت سر دھما۔ ان لوگوں نے دڑا یور کی طرف دیکھا جو اسیں لگ کر اونچھا پڑا ہوا تھا۔

”کیا تم نے اسے مار دالا؟“ ایک نے خوف زدہ سی آواز میں کہا۔

”ہو سکتا ہے وہ مری گیا ہو۔ تم سے جو کہا جا رہا ہے کرو ورنہ تمہارا بھی یہی خشر ہو سکتا ہے۔“

”دھنٹہ ایک آدمی نے دڑا یور پر سے نکل جائے۔“

اس کی ناک پر شارج جسید کردی اور وہ بلبلتا ہوا پہنچے ہٹ کیا۔

”دھر سے نے بڑی بھرتی سے زوبیا کے مذہ پر سے چڑی کا تسمہ ہٹانا شروع کر دیا۔“ فریدی نے

”اب تم پہنچے اتر آڈا لڑکی۔“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔

”وہ دوسرا طرف کا دروازہ کھول کر پہنچے اتر کی لیکن دھر سے ہی لمحے فریدی نے اس کی حیثیتی سنی۔“

نہیں کیا تھا کہ موڑ سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ وہ دوڑنے لگا یعنی سڑک پر پہنچنے کے بعد اسے ایک جھٹکے کے ساتھ رک چاہا۔ ایک نکار بڑا ہوا پر سارے سڑک سی اور نہ کار، تینوں پر ہوش آدمی بھی غائب تھے۔

فریدی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔

پیراڈائز ہیاں سے تقریباً سات میل دور تھا۔ وہ چند لمحے دیں کھڑا رہا پھر پیراڈائز کی طرف چل پڑا۔ پیدل چنان اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر نیس اور چالیس میل تک پیدل چل چکا تھا۔ بہر حال اس کا مودا اس خیال سے ٹرک نہیں ہوا تھا کہ اسے پیدل والیں جانا پڑے گا بلکہ موڑ کی خرابی کی وجہ دراصل موڑ سائیکل کی گم شدگی تھی۔ پتا نہیں وہ کس بے چارے کی کد ہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے وہ بھی کسی دوسرے سے عاریاً یا ہو۔

وہ چلتے چلتے رُک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گھاتوں کا بلٹ لوث جانے کی اطلاع کافی تشویش سے سنبھالی۔ لہذا انہیں گھاتوں کے بلٹ سے آگے ہی جانا رہا ہوگا۔ گھاتوں کا بلٹ یہاں سے ڈڑھ میل دور تھا اور پھر اس سے ایک میل آگے چل کر شاہ پور کی چھاؤنی تھی۔ یہاں کئی قوجی افسوس اس کے شناسانے۔ اس نے سوچا کیطی نہ وہاں بلکہ لکھنے لگا۔ اس کا جاری رکھی جائے۔

وہ گھاتوں کے بلٹ کی طرف چل پڑا۔ اس کے جوستے بے آواز تھے۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے کام سے رہا تھا ساتھ ہی اس کے ذہن میں پہنچتے سوال تھے۔

استنا تو وہ سمجھ رہی چکا تھا کہ زوبیا مرنے والے نے ناوقتنہ نہیں تھیں کیونکہ مرے والا اسی کے لیے ایک سارے جیسے جھکڑا ہے۔ حقیقت ہی تھی تو اب ان چٹاٹوں میں بھنکتے پھرنا ایک فتنوں ہی سا فعل ہوتا۔ اس نے سوچا کہ دوسرا پاراغوا کرنے والے اس کمرے میں پانچ گھنی تھی پھر اس لڑکی کا قصہ۔ کیا وہی لوگ تھے جنہوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہی ہوں اور انہوں نے یہ حرکت اس لیے کی ہو کہ پویس ایک اچھے گواہ سے محروم ہو جائے۔

اب تک صد بیانے کیسی اس کی نظر وہی سے گزرے تھے جن میں بھروسے گھوڑوں نے گواہیں کو یا تو مار دالنے کی کوشش کی تھی یا اسیں اغوا کر لیا تھا۔

کون ہوں؟“

”اتھی رات گئے یہاں کیوں؟“ آنے والے بیانے پہنچتے چلا۔

”تمہارا دماغ تو ہیں الٹ گیا۔ تم پوچھنے والے

کیا بات ہے؟“ اس نے جیخ کر پوچھا لیکن جا بنداء۔ فریدی موڑ سائیکل سے اتر گیا اور وہ سڑک پر جا گئی لیکن وہ اس کی پردازی کے خیر و دسری طرف چھپا۔

پھر اچانک وہ دونوں آدمی اس پر لوث پڑے سے بدیا لوڑ دیے نہیں لگی۔ وہ دونوں بھی جلد ہی اپنے تیسرے ساتھی کی طرح بے حس و حرکت نظر آنسے لگے۔ فریدی انہیں سڑک پر پھوڑ کر تارچ اور ریواوت لاش کرنے لگا۔

لڑکی کا اس طرح پڑھنے میں غائب ہو جانا انتہائی حیرت انگزیر تھا۔ کچھ دیر بعد شارج کی روشنی کا دائرہ ادھر ری گئے تھے۔

وہ غفتہ باشیں جانب والے نشیب میں اُسے ایک زنانہ سینڈل نظر آیا اور وہ پہنچا تر تھا۔ لڑکی اس خیال نے اسے مغضطہ کر دیا کہ کہیں وہ پہنچے نہ گئی ہو۔ ایسی صورت میں اس کی ٹہریاں بھی سلامت نہ رہتیں۔ یہ دھلان کچھ ایسی ہی تھی کہ ذرا سی لوزش آدمی کو موت ہی کے جڑوں میں دھکیل سکتی تھی۔ وہ دھلان کے اختتام پر پہنچ کر رکا ہیں زوبیا اسے کہیں نظر نہ آئی۔

وہ چاروں طرف شارج کی روشنی ڈال رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ خوف زدہ ہو کر کسی طرف نکل تو نہیں گئی مگر اس نشیب پر دھڑنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ پھر اس بلکہ لوٹ آیا جہاں سینڈل پڑا ہوا کیا تھا۔ وہ جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کا تسمہ باقاعدہ طور پر بیکل میں پھنسا ہوا تھا اور سینڈل کا تسمہ اتنا دھیلا کبھی نہیں رکھا جاتا کہ وہ پیر سے نکل جائے۔

تو پھر کیا اسے کچھ لوگ دوبارہ اٹھانے کے لئے تھے؟ فریدی کے ذہن نے اس سوال کا جواب اشیات میں دیا یعنی انگریز حقیقت ہی تھی تو اب ان چٹاٹوں میں بھنکتے پھرنا ایک فتنوں ہی سا فعل ہوتا۔ اس نے سوچا کہ دوسرا پاراغوا کرنے والے بہت زیادہ محتاط ہو گے ہوں گے۔

یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی وہ کچھ دوستک بڑھتا چلا گیا۔ شارج کی روشنی اور دھرہ جکڑا تی پھر رہی تھی۔

تھرپیا پسندہ منٹ بعد اس نے سوچا کہ اس طرح بیٹھنے سے کوئی ناٹہ نہ ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ ان تینوں آدمیوں کو ہوش میں لا کر ان سے پوچھ جھوکی جائے۔

بھرداہ سڑک کی طرف مڑا لیکن ابھی آدمیاں طے

"پھر سے کمرے نیں بھی چوری ہو گئی ہے۔" حمید غیر ایسا۔
"پھر کو فوراً بھیجو۔"
چھل س نشاپنے کمرے کا غیر تباہ۔
تغیر پاپا نج منٹ بعد ہی تین آدمی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ ہوٹ کے اشاف ہی سے اعلیٰ رکھتے،
یک ان میں تین ہیں تھا۔ وہ اس سے بچوچو کرنے لگے۔
"نہیں کوئی چیز تھی انہیں نہیں گئی۔" حمید نے جواب دیا۔
"یکن یہ ہوٹ کی قدر غیر محفوظ ہے۔"
پتا نہیں کیا بات ہے جتاب؟ ایک آدمی بولا۔ مس
ڈال بھی کھتی ہیں کہ ان کے کمرے سے کوئی چیز تھی انہیں نہیں گئی،
لیکن سامانی اسی طرح بھرا پڑا ہے۔
"کون مس ڈالی؟" حمید اسے گھوڑنے لگا۔
"ایک یورشین ہیں۔" اس نے جواب دیا اور کمرے
کا جو غیر بتایا وہ ڈال ہند کے کمرے کا تھا۔
حمدید سورجیں پڑا گیا بھر بولا۔ میں اس کی بد پورٹ پلیس
کو دینا چاہتا ہوں۔
"میں فون کرنے جلد ہوں۔" ایک آدمی نے کہا اور باہر
چلا گیا۔
بچر خود کی دیر بعد پھر بھی آگیا۔ وہ حیرت سے چاہنے
طرف دیکھ رہا تھا۔
"تھکی اس کا بھی چھاڑ دیا گیا ہے۔" وہ تخلیق کو ہبھے
میں پڑا گیا۔ حمید کی تیز نظر میں اس کے چہرے پر پریں بالکل
اسی انداز میں جیسے وہی بے چارہ اس کا ذمہ دار ہو۔
"بھی ہاں!" وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ بالکل ایسا ہی
ایک دعا درجی ہوا ہے۔ ایک صاحب کے کمرے کی بھی بھی
حالت نظر آئی ہے اور ان کا تھکی بھی اسی طرح چھاڑ دیا گیا۔
"مگر میں صاحب نہیں ہوں کہ میر کروں گا۔"
"کیا کوئی چیز غائب بھی ہے؟"
"نہیں۔" حمید گردن جھینک کر بولا۔
"ان کے کمرے سے ہمی کوئی چیز غائب نہیں ہوئی۔"
"کیا یہاں قیام کرنے کا انعام ہے؟"
وکی عرض کروں جناب! ایسی دارا تھی تو بھی نہیں ہوئی۔
وخت فون کی حصی بھی۔ حمید نے پڑھ کر رسیو رائٹھیا،
مگر شاید فون پھر کے لیے تھا۔
حمید نے زیپ یوراس کی طرف بڑھا دیا۔

لوگ بدواہی میں ایک دسرے پر گردھتے اور سرٹی
ہیفیں شاید بادنوں کو بھی گدگدار ہی عین کھونک باش کا زور
پڑھتا ہی جارہا تھا۔
"تھہر یے جو اس قائم رکھیے اُ لاڈا سیکھیجئے گا۔"
اس طرح آپ چوتھی کھاکتے ہیں۔
"خدا فارست کرے۔" ڈال گرتے گئے سنجل کر بولی۔
میدنے اُسے اپنے داشتے باقاعدہ پریسک لیا تھا وہ مٹہ
کے بیل گرتی۔
"ہاٹی۔... بارش ہی تو ہے۔" حمید نے کہا۔
"میں بھیج گردی ہوں۔" اس نے کھوڑ کر بولنا۔
اوہ میں بالکل خشک ہوں۔ واقعی یہ بہت بڑا نظر ہے۔
"تم عجیب آدمی ہو۔ چلو جاؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پیش
ہوئی بولی۔
"ہرگز نہیں۔ مجھے اتنی غیر سلفی حرکت نہیں مزدہ ہو
سکے گی۔ پانچ سوچنے کیے ہاتھ تھے تھا میٹھا کھاں کی
عقل مندی ہے۔"
"تم احتی ہوئے ڈالی نے کھا اور درٹنے کی لیکن اس دڑ
میں حمید نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ بہت اطمینان سے
ہمیگتا ہوا کمرے میں آیا لیکن یہاں کی حالت دیکھ کر وہ یہ بھی
بھول گیا کہ اس کے جنم پر بھی ہوئے پڑے ہیں۔
پلیس کی تلاشی کے بعد اس نے بڑی دشواری سے
اپنی پیزیں قریبے کر کی تھیں مگر اب وہ اس سے جھیز زیادہ
رقدی حالت میں نظر آئیں۔ کسی نہ اس کی عدم موجودگی میں سارے
کمرے کو ترد بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ بستر فرش پر پڑا تھا۔ تکمیل
پھاڑ دالا گیا تھا۔ سوت لکیں ایک طرف پڑا تھا اور کپڑے پھیل
ست اور کچوڑا۔
سفر میں وہ چیک بک اور انقدر ہمیشہ جیوں میں رکھا
کرتا تھا ورنہ ہو سکتا تھا کہ اس وقت اسے لوزیاہہ غفت آتا۔
غفت تو تھا مگر صرف فریدی پر۔ آخر اس نے پلیس والوں
سے اپنی اصلاحیت چھپائی ہی کیوں تھی؟ ممکن ہے یہ حرکت کسی
مقامی سرماںچے رسانی کی رہی ہو۔ وہ دلوں خود بھی ہزاروں بار
اس قسم کی بے ضابطہ تلاشیاں لے چکتے۔
اس نے جھلائیں میں پڑھ کر فون کیا لیکن وہ آفس میں
موجوں نہیں تھا۔ کسی کلر کے فون رسیو کر کے تبلیا کہ ایک
کمرے میں چوڑی ہو گئی ہے۔ پیغام ہیں ہے۔

"اب اسی طرح پڑے پڑے بتا دیکھ کر لان ہو۔"
"مم... میں... سرکاری سرماںچے رسالہ ہوں۔" اس آدمی
نے مانپتے ہوئے غصیلی آوانہ کر کھا۔
"تب تو میں تمہاری گروں توڑہی دوں گا۔" فریدی اس سے
کی گردن پر مزید دباؤ دانتا ہوا بولا۔ "تم میری ہی تلاش میں کتنے
ہو گے لیکن میں پوچھیں والوں کو پہنچا نہیں جانتا۔"
"میں سرکاری سرماںچے رسالہ نہیں ہوں۔" وہ بوكھلا کر بولنا۔
"میں لاکھ برس یقین نہیں کروں گا۔" فریدی کا جواب تھا۔
"کیا تم دسروں کی دوست میں حضور لگانے والوں میں
سے ہو؟" اس آدمی نے پوچھا۔
"دوسروں کی دوست خود ہی نیزی منتظر رہتی ہے تھوڑی
میری آہٹ پر اپنے مٹہ کھوں دیتی ہیں۔"
"اوہ جو اس بوجھے چھوڑ دو۔ پیر پٹاڑا نا۔ میں بھی تمہارا
بھی ہم پڑھے ہوں۔"
"میں کیسے لقین کروں۔ آخر سرماںچے رسالہ ہندی صفحوں
میں گھس آتے ہیں اور ان کا طریق کار بھی یہی ہوتا ہے جو من
اس وقت اختیار کیا ہے۔"
"نہیں دوست، میں ثابت کر دوں گا کہ میں سرکاری
سرماںچے رسالہ نہیں ہوں۔"
فریدی نے اس کی گردن پر سے پیر پٹاڑا اور وہ بیٹھ
کر اپنی گردن ملنے لگا۔ فریدی مارٹی کی روشنی میں اُسے بہت
خود سے دیکھو رہا تھا۔ وغفت اسی نے سرماںچا کر کھا۔ تھم واقعی
بہت بھرے علوم ہوتے ہو۔ میں میں نے آنا پھر تیلہ آدمی اج
تک نہیں دیکھا۔"

۶۶
بادش کے پڑے ہی جھینٹوں نے رقص گاہ میں اپنی
چیلادی تھی پھر سنبھلے۔ موسلا دھار بارش شروع ہو
گئی۔ بارش اپانک ہوئی تھی۔ پڑھتے سے آشانہیں تھے اور
اگر آثارتھے جھی تو ایسے نہیں کہ رام گڑھ کے موکی نمولات کے
خلاف ہوتے۔ وہاں اکثر اسی طرح بادل اٹھا کرتے تھے لیکن
بھول کے جھونکوں کے ساتھ ہیلکی ہیلکی چھواروں کے علاوہ اور
کچھ نہیں ہوتا تھا۔ سردوں میں شاید ہی چھواریں برف کے
ذرات کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔
مگر اس وقت شاید فطرت بھی مذاق کے موڑیں تھیں۔
اب نظرت کے علاوہ اور کون اس منظر سے لطف انداز تھا۔

کون ہو۔ کیا میں تمہارے گھر میں گھس آیا ہوں ہے۔
"ارے... دھنگ سے جواب دو۔ جو کچھ لے چاہا جائے۔"
آئے والے نے تیز کا اڑاکے کہا۔
"کیوں تم کون ہو؟" فریدی کا لہجہ جیلیخ کرنے کا ساختا۔
"میں کوئی بھی ہوں۔ تھیں میرے سوال کا جواب دینا
پڑے گا۔"
"اچھا...،" فریدی مسکرا یا کر کر سوالات لیکن وہ دس
سے زیادہ نہ ہوں۔ میں ان میں سے صرف پارچے منتخب سوالات
کے جوابات دوں گا۔
"تم یوں ہیں مانو گے۔" اس آدمی نے کہا۔ فریدی کو
اس کے دلہنہ ہاتھ میں ریواں نظر کیا۔ اس نے پھر کہا "اب
بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"میں آدمی ہوں اس لیے بارش میں بھینگنا چاہتا۔"
فریدی نے جواب دیا۔
"یہ ریواں خالی نہیں ہے۔" وہ آدمی غتر ایسا۔
"پیر ریواں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔
"اگر اٹھنا بھی جانتا ہے۔"
"فراد بیکھوں تو!" فریدی اٹھ کر بولا۔ میں نے آن
تک ریواں اپنے ہاتھ میں لے گر نہیں دیکھا۔
"چھے ہٹو۔" وہ آدمی اپڑا۔
"یاں! کیوں خواہ خفا ہوتے ہو۔ میں نے تم سے کب
کھا تھا کہ خواہ خواہ جیب سے ریواں نکال کر بھجے دکھا۔
اب اگر میں اپنے ہاتھ ہی میں لے کر دیکھوں گا تو اس میں کون
سی خرابی پسہ اہو جائے گی؟"
"اچھا تو میں فائز کرنے جا رہا ہوں۔"
"مگر جلدی واپس آ جانا۔ یہاں ایک دل گھبرا تا ہے۔"
فریدی نے بڑی سادگی سے کہا۔
اس نے بچھ جانکر دیکھ دیا۔ کوئی بچھے نے نکلا کر بڑی اور
وہ خود بال بال بچا لیکن دوسرے ہی لمحے ریواں نہیں پر تھا اور
اس کا داہنہ ہاتھ فریدی کی گرفت میں... اور بچھ دہا۔ اس کے
ایک ہی جھیکے میں مٹہ کے بل زمین پر جلا کیا۔
"اب نہیں میرے مٹہ کے بل زمین پر جلا کیے گے۔"
فریدی اس کی گردن پر پیر رکھتا ہوا بولا۔
اس نے اٹھنے کی کوشش کی گھر مکن نہ تھا۔

وہ سری طرف کی گفتگو شاید ایسی ہی پریشان کن تھی کہ
جنگ کے جھرے پر پہنچا آگی۔ اس نے ریسیور کو کوکھلائے
ہوئے ہوئے میں کہا: کیا مصیبت آگئی ہے؟
”کیوں؟“ حمید جواب طلب نظر وہ اس کی ٹرانسیویٹر
ایک کار اور ایک موٹر سائیکل غائب ہے۔ اس نے
روم سے جہرے کا پسندیدہ خشک کرتے ہوئے کہا: ایسی باتیں تو
یہاں کچھی نہیں ہوئیں۔ اچھا جناب ایس ابھی پولیس کو فون
کرتا ہوں۔“

میجر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کلرک ہمی خفت
ہو گئے۔ حمید آدم کرسی کے ساتھے ملک کرپاش میں تباکو بھرنے
لگا۔ آئے وقت اس نے فریڈی کا گھر میں مغلبلی دیکھا تھا۔ وہ
سوچ رہا تھا کہ کیا اس کا گھر ہے اسی حالت میں ہوگا۔
دفعہ فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔ وہ سری
طرف سے ڈالی بول رہی تھی۔

”سیلو پر دیز،“ میں نے ستاہے کے ٹھہرے کمرے میں کسی
نے اتری پھیلائی ہے۔
”مھنک سنا ہے۔“ حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
”کیا انہیں علم ہے کہ میرے گھرے کی بھی بھی حالت
ہوئی ہے؟“

ہاں میجر نے بتایا تھا:
”کتنی عجیب بات ہے؟“
”ہاں اتنی بھی عجیب باتیں تو ہیں۔“ حمید نے تاریخام کی شیشل آڑن فیکری!
”کیا مطلب؟“
”کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے پاپا کو تھنے
میں کیا بھجوں؟“

”نیکی اوت پنگ باس شروع کر دیں تم نے۔“
”مجھے نہیں۔ تھیں مجھے سے ہمدردی ہے نہ تم جس نے اس
کی اطلاع دینے آئی تھیں کہ پولیس مجھ پر شہید کر رہی ہے،
ہا انکو پولیس میری جیسی میں پڑی رہتی ہے۔“

”کیا تم نے زیادہ مقدار میں پی لی ہے۔ تمہارا ہجڑا
ہاں! میرے پیچے پہنچوں کو پیار آتا ہے۔“
”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؛“ اس نے جھلکا کہا
اور سلا منقطع کر دیا۔
حمدید پاپ سلاکنے لگا۔ اب وہ پولیس کے آئے بغیر

پنگ پرستہ بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔
”کیا مصیبت ہے؟“ وہ بُرا سامنہ بن کر تیرا یا چہاں
جاو شامت ہی تھی تھی۔ وہ کبھی گھرے میں ہنہتہ اور کچھی راہ داری میں نکل آتا۔
اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریڈی کا گھر بھی کھول کر دیکھا جائے۔
اس نے ٹکرے کیتھی اتاری اور گھر کو جو، اندر آیا اس کا
اندازہ غلط نہیں تھا۔ یہاں بھی ولیسی بی بزری نظر آئی۔ کوئی جیز
اپنے ٹھکانے پر نہیں تھی اور اس کا بھی تکمیل چاہا ڈالا گیا تھا۔
اس نے کمرہ دوبارہ مغلبلی کیا اور اپنے گھرے میں واپس
آیا۔ تقریباً آمد کھنٹے بعد پولیس بھی آگئی۔ اس کے ساتھ تھی
سی۔ آئی۔ وہی کا ایک انپکٹر بھی تھا۔ اس نے فریڈی اور حمید
کے گھرے دیکھے۔ اس سے پہلے شاید وہ ڈالی کے گھرے کا بھی
جاڑم لے چکا تھا۔
”کیا اس لڑکی سے اب کی پرانی جان پہچان ہے؟“ اس
نے حمید سے پوچھا۔

”نہیں،“ ہم آج ہی ملے تھے۔“
”آج تین بجے کس عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟“
”میں نہیں جانتا۔“
”کیا آپ کواس سے انکار ہے کہ فون پر کسی عورت نے
آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟“
”قطیٰ نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی لہذا میں
نے آپ سرسرے اس کے متعلق چھان بین کی تھی۔“
”اوہ میرا ساتھی بھی غائب ہے۔“ حمید مسکرا یا۔
”آپ...“ وہ شکرا ہجھوٹ دانتوں میں دبا کر حمید کو کھا
چنے والی نظر وہ تھوڑے لگا چھر بولا۔ یا اپ تھی اپنی
بیٹنے کے خواہاں ہیں۔ آپ نے بچلی رات پولیس کو اس اساع
تیوں نہیں دی تھی کہ اس نے آپ کا پرس اڑا کیا تھا۔“
”میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ بہو کیا جائے۔“
”پھر ہم اسے باور کر لینے پر تسلی نہیں ہیں کہ اس نے
آپ کی جیب کا مٹقی۔“

”آپ کی مٹنی۔“ میں نے اس کی شکایت کی تھی اور نہ اب
آپ کو اس کا لیقین دلانا چاہتا ہوں میں نہ رای تو فرمائیں کہ
وہ بلا وجد میرے ہاتھ سے پٹ گیا تھا تو خود اس نے ہمیں میرے
خلاف پہنچ کر پڑ کیوں نہیں دی اور جناب پاپ آپ اس پر بھی
ہاشم ڈال سکنے کے کام سے پتی شاندار موجھیں کیوں صاف
کرادی تھیں؟“

”سارے ہمان طریقیاں دھری رہ جائیں گی۔“ انپکٹر عصیلی
اوڑ میں بولا ہے اگر یہ ثابت ہوگی کہ آپ بھی اس کے قریب تھے جب
بانٹنے لگے کیا تھا...“
”یہ ثابت ہونے سے پہلے میں رام گڑھ نہیں چھوڑوں گا۔“
آپ کو اطمینان رکھنا چاہیے۔
انپکٹر اس ترکی پر بُری طرح مجلس رہا تھا۔ فرمائے
اس نے پوچھا۔ ”آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟“
”وہ نا بالغ نہیں ہیں کہ ہر وقت ان کی آمد و رفت سے
با پھرہ سامنے کیے ضروری ہو۔“
”آپ آخر ادھیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے؟“
”کیا میں ابھی تک پرندوں کی طرح جسم بھارتا رہا ہوں؟“
حیدر نے بڑی سادگی سے پوچھا۔
”بہت جلد معلوم ہو چکئے گا۔“ اس نے کہا اور گھرے
سے نکل گیا۔
یکن قحوڑی بھی دیر بعد وہ پھر موجود تھا۔
”آپ کے ساتھی کب سے غائب ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
”مجھے علم نہیں۔ میں اس کی دم کے پیچے نہیں لگا رہتا۔“
”میں ایک بارہ چڑاپ کو متلبہ کرتا ہوں کہ سچی مجھ کو
گفتگو کیجیے۔“
”شکریہ اسی پہنچے کے کافی محتاط ہوں۔“ تھیڈے خوار دیا۔
”یہاں سے ایک کار اور ایک موٹر سائیکل بھی نہیں ہے۔“
”اوہ میرا ساتھی بھی غائب ہے۔“ حمید مسکرا یا۔
”آپ...“ وہ شکرا ہجھوٹ دانتوں میں دبا کر حمید کو کھا
چنے والی نظر وہ تھوڑے لگا چھر بولا۔ انپکٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے
ہوئے کہا۔“ وہ سانپ کے ذہر سے ہلاک ہوا ہے۔
”اوہ ہو!“ حمید نے حیرت سے آنکھیں چڑا کر کہا۔ تو وہ
سانپ تھا بخ کے بھیں میں؟“
”بھی نہیں!“ انپکٹر نے تلے لپھیں کہا۔ زہر اس رخ کے
راس سے جنم میں پہنچا تھا جو بخ کے کاشنے سے ہوا تھا۔

”اچھا! اب میں سمجھا۔ یعنی اس زہر پر کسی سانپ نے بھی
ٹین آزمائی کی تھی۔“ بڑا بد نصیب تھا بے چارہ مرنے والا۔
”بھی ہاں! اب نصیب ہی تھا کیونکہ پھلی رات آپ نے بھی
تو بخ آزمائی فرمائی تھی۔“
”لیکن ابھی وقت میں بخ کے بھیں میں نہیں تھا۔“

”آس کا جواب بھی آپ ہی دے سکتے گے۔“ انپکٹر ایک
تھی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہو گا۔
”اچھا تو نہیں ہے میرا جواب۔ اس نے حتی الامکان اپنی ایک
ایسی اضافی خصوصیت ختم کر دی تھی جس کی بناء پر لوگ اسے
بہچا سکتے ہیں تاں کرتے۔ وہ ایس چاہتا تھا کہ ایک گھر کٹ کر
یتھیت سے اس پر انکھیاں اٹھیں۔ کیا تھے؟“
”لیکن وہ اتنا دھیٹ خاکہ یہاں سے ٹکنا بھی نہیں
چاہتا تھا۔“ انپکٹر مسکرا یا۔
”اس کے متعلق کیا کہم سکتا ہوں؟“
”مشترپر دیز، آپ دلدل میں بھنس بچکے ہیں۔“
”اس اطلاع کیلئے ہیں آپ کا شکر گزار رہا ہوں۔“
”جھمگا! ایک لڑکی کے لیے ہوا تھا۔“
حمدید تھکنی نظر وہ اسے دیکھنے لگا لیکن اس کے ہونٹ
بند ہی رہے۔ انپکٹر کہ رہا تھا۔ ”جھمگا!“ کے وقت آپ
دولوں دہل تھا ہی تھا۔
”چھر؟“
”ایک ادمی نے آپ دونوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔“
”تب تو آپ اس لڑکی سے مل ہی پچکے ہوں گے جس کے
لیے جھمگا!“ ہوا تھا۔
”ماں! اس سے مل بکا ہوں۔“ انپکٹر نے کہا لیکن
حمدید کو اس پر یقین نہیں آیا۔ وہ فریڈی کا محبت یافتہ تھا۔
اُسے کم از کم اتنا سلیقہ تو خاہی کے وہ سجھوٹ اور سچ میں اضافی
کر کے۔
”اچھی بات ہے۔ تو آپ بڑا کوم اس لڑکی سے مزید معلومات
حاصل کیجیے۔“ تھجھن میں آرہی ہے۔
”انپکٹر جنکلے ناہوش کھڑا سے گھوڑا تارہ پھر بولا۔
”کیا وہ لڑکی ذاتی نہیں ہے؟“
”ماں... ذاتی لڑکی ہی ہے۔“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔
”بچن کا طبقی معاملہ ہی یقیناً بہاؤ گا۔“
”ہو چکا۔“ دیغیر معنوں نہیں ہے۔
”تو آپ میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی ایسے ذاتی کو ظاہر
کریں جس نے اسے بچن کو جھیڑنے پر اسایا ہو۔“
”ئیں کہہ چکا ہوں کہ بچن فیر غولی نہیں تھی۔“ انپکٹر
غصیل لپھیں کہا۔
”میں کہ کہتا ہوں کہ تھی۔“ ظاہر ہے کہ بچن نے اس کی

پنڈلی کی کھال ادھیری ہو گئی تو دو چار آدمی ضرور دڑپڑے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ان میں کوئی ایسا بھی رہا ہو جس نے ذمہ دیکھنے کے بھانے کو برداشت کر...“

”اتنامیں ہمی سوچ سکتا ہوں“ اپکٹر نافٹنگوار بھجے میں بولا۔

”سوچ سکتے ہیں نا۔“ حمید نے جل رکھا۔ بدآگران دو چار آدمیوں میں پیر احمد بھی ہو تو مجھے تکلف خواست میں لے یہی ورنہ پھر مجھے سونے دیجے۔“

”اگر یہ ثابت ہو گیا تو آپ سلانخوں کے بیچھے ہوں گے۔“ ”خجے بھی کافی خوش ہو گی اگر یہ ثابت ہو گیا۔“ حمید نے انگڑائی لے کر بے پرداشی سے کہا۔ پھانسی کے پھندے کے سنجھر بھی ہی۔“

سب اپکٹر جعلہ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نیجہ آنہ ہی اور طوفان کی طرح تکمیرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں جونک کر اسی کی طرف مڑے۔

”اگ!“ وہ بانپتا ہو بولا۔“ مرنے والے کے گھرے میں آگ لگ چکی ہے۔“

”کیا؟“ اسپکٹر غرا۔“ ”بھی ہاں آپ نے تلاشی کے بعد شاید ایک کھڑکی کھٹلی چھوڑ دی تھی۔“

فریدی کاشکار اب بھی زین پر بیٹھا اپنی گردن مٹول رہتا۔ اور فریدی اس طرح کھڑا تھا جسے اس نے کسی شرپر نچے کے دو چار چیپیں جھاڑ دی ہوں۔

”پولیس کیوں ہے تمہارے سمت پیچے؟“ اس نے بھرائی ہوئی آوانہ میں پوچھا۔

”یہ نا ممکن ہے۔ ہم نے بڑی محنت کی۔ ویسا گرم دس بیڑا دے دو تو۔ بھی ہو سکتا ہے۔“

”ایسی قسم صرف خریف آدمیوں سے دعوی کی جاسکتی ہیں۔“ فریدی نے خشک ہیچے میں کہا۔

”تب پھر اس کی داہی بھی مٹکن ہیں۔“ میں اس کا کے لیے دس بیڑا دئے والے ہیں۔“

”تم نے یہ کام کے لیے کیا ہے؟“ ”ہم کام اور دام کے علاوہ کسی چیزی پر داہی کرتے۔“ سلانخوں کے بیچے۔ کیوں؟“ فریدی نے تھقہ لگایا۔ پھر کیک پیک بنیادہ ہو کر تولنا۔ سسر سراغرسان اس سال پر میرا بندروں کا قتل ہو گا۔“

”ادھر اس سے داتفاق بھی نہیں ہو۔“ ”نہیں اج بھی سودا ملے ہو اخوات و ناقب میں تھا۔“ اور تم نے کچھ کچھ بوجھے بوجھے بغیر سودا ملے کر لیا۔“ ”ہم اس سے کیا غرض کر دے گوں ہے؟“ ”مکن ہے میں کچھ کے لیے پولیس نے جعل بھایا ہو۔“ ”نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔“ اس کے لیے یہیں بے اعتمادی تھی۔“ ”غیر تم جہنم میں جاؤ۔ اڑکی کو چپ چاپ میرے خواست کر دو۔ کچھ دیر پہنچیں تمہارے تین آدمیوں کی مرمت کر جکھا ہوں۔“ ”اوہ! اتوہہ تم ہی تھے؟“ ”محبوں نہ برو۔ شکاری سلیم کو تم جانتے ہو لیکن...“ فریدی کہتے کہتے ٹھیک گیا۔

”خہرو!“ وہ باختہ سماخ کر بولا۔ آخر تم اس کے بیچھے کیوں پڑے ہو؟“ ”بہت دنوں سے میں اس کے پکڑ میں ہوں مگر تمہیں اس سے کوئی غرض نہ ہوئی چاہیئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”گرا سے دوبارہ کس نے اٹھایا۔ کیا تم لگ بیہاں پہنچے ہی سے موجود تھے؟“ ”ہم تعداد میں پندرہ ہیں۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”بیا۔“ بگ بگ کچھ آدمی پہنچے ہی سے نکادیے گئے تھے تاکہ غدر دست پڑنے پر ان نہیں کی مدد کی جاسکے۔“ ”تاب تم اسے کہاں دے جاؤ گے؟“ ”تمہیں یہ سب کچھ کس طرح بتاؤ یا جاؤ۔“ جب تمہرے ارادے نیک نہیں ہیں۔“

فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے باختہ اٹھنے سے پہنچے اس کا گھونسا اس کے بیچے پر پڑا۔

پھر اسے سنبھل کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ پے در پے دس بارہ کھوٹے کھانے کے بعد وہ لیٹ گی۔ اس کے ہونٹوں سے ٹوٹ بہ رہا تھا۔

”تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے بھراثی جوئی لفازی پوچھا۔ ”لارکی۔“ فریدی کا جواب تھا۔

”وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔“ ”تم محجا اس سکن پہنچا دو بھر میں دیکھ لوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ یا پھر ایک دوسری بھی صورت ہے۔ قبضہ دیاں رے چلو بیہاں اُسے اس نامعلوم آدمی کے حوالے کر دے گے۔“ ”وہر جی مسحیوں میں میرے ساتھی بھجن نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ”تم بیہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔“ فریدی کے لہجے میں سفاکی تھی۔

”میں سرکاری سراغ دیا نہیں ہوں۔“ پچھلے سال بھی تم ہی جیسے ایک آدمی سے ملا جاتے ہوئی تھیں لیکن تبے چاری پولیس اس لاش کی شناخت سے قصر ہی تھی۔

”میں عموماً بھرہ بکارڈ دیتا ہوں۔“ ”میں میتھیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سرکاری سراغ رسال نہیں ہوں۔“

”کیا تم بزدل ہو؟“ ”نہیں، میر، اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا تا اس آدمی نے حیرت سے کہا۔

”تم اسی صورت میں بیچ سکتے ہو کہ مجھے مارڈالو۔“ ”مُخْرُ، سی جھن پالنے کا عادی نہیں ہوں۔“ ”ارے یار کیوں خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہو؟“ وہ آدمی خوف نہ دہ سی بیٹی کے ساتھ بولا۔

”اچھا تو بھر کسی چوہے کی طرح منے کو تیار ہو جاؤ۔“ ”ختم بھی کرو۔ یار میں تھیں ایک محفوظ ملکے چلوں کا مگر

خہرو، مجھے ایسا غصہ ہوتا ہے جسے میں نہیں کھیل سکا ہوں۔“ ”پیرا دا خری میں؟“ فریدی نے بڑی سادگی سے کہا۔

”اوہاں... مم... مگر...“ وہ مکلا۔

”تو تم نے مجھے بچاں لیا؟“ ”شکاری سلیم۔“ ”اگدے۔“ فریدی چکری بجا کر بولا۔ اب چپ چاپ اس لڑکی کو میرے حوالے کر دو۔“

”یہ نا ممکن ہے۔ ہم نے بڑی محنت کی۔ ویسا گرم دس بیڑا دے دو تو۔ بھی ہو سکتا ہے۔“

”ایسی قسم صرف خریف آدمیوں سے دعوی کی جاسکتی ہیں۔“ فریدی نے خشک ہیچے میں کہا۔

”تب پھر اس کی داہی بھی مٹکن ہیں۔“ میں اس کا کے لیے دس بیڑا دئے والے ہیں۔“

”تم نے یہ کام کے لیے کیا ہے؟“ ”ہم کام اور دام کے علاوہ کسی چیزی پر داہی کرتے۔“

”سلانخوں کے بیچے۔ کیوں؟“ فریدی نے تھقہ لگایا۔

پھر کیک پیک بنیادہ ہو کر تولنا۔ سسر سراغرسان اس سال پر میرا بندروں کا قتل ہو گا۔“

”میر سے یہ کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔“ ”تم اگر پسند کرو تو میں کسی محفوظ جگہ پر بیٹھا دوں۔“

”سلانخوں کے بیچے۔ کیوں؟“ فریدی نے تھقہ لگایا۔

”وہر جو اسی مسحی معاویات فرائم کرتے ہوں۔“

”بھوڑیں گے۔“ ”دہلڑی کی بھی نہیں ہے؟“ ”اہا!“

”دہ کچھ نہ بولا۔ اس پا خریدی نے اس انداز میں بیڑا اٹھایا۔“ ”جیسے اس کے سر پر خون کار نے کام اور دھکتا ہو۔“

”خہرو!“ اس نے باختہ سماخ کر کھا دے دیا۔“ ”تریب ہی۔ ہم بیچاں دو آدمی تھے۔ میں ترکی کو اٹھایا تھا۔“

”جب تھرکی پر کوئی نہ رہ گیا تو اسرا ساتھی اُن نہیں کو گاڑی میں دل کر نکال لے گیا۔“

”مور سائیکل کیا ہوئی؟“ ”دہ میرے پاس ہے۔“

”تو وہ لڑکی نہیں کہیں ہوئی۔“ ”ہاں بیس اُسے ایک غار میں چھوڑ کر اپنے دوسرے ساقیوں

کی تلاش میں نکلا تھا۔“ ”تمہارے گردہ کا سر غنٹہ کون ہے؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ ”تمہاری صرفی، خیراب تم مجھا سی لڑکی کے پاس ہے جلو۔“

”تم میری زندگی کے فانے پر کھوں گل گئے ہو۔“ وہ بیٹھے زندہ نہیں چھوڑ دیں گے۔“

”دوسری صورت میں... میں تھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ دیلے گئے ہے کلم بیچ جاؤ۔“ تم اپنے سر غنٹے کہہ سکتے ہو۔“

”کہہ اس نے نہیں آدمیوں کو بے کار کر دیا تھا اور ایک کیا حقیقت ہے؟“

”بادشاں کا زور اپنکے ہو گیا تھا۔“ فریدی نے اسے گریا۔

”یہ بھی اٹھایا تھا۔ اس پاراں کا ریا الور انھر کر جیب میں دے پہنچا دیا تھا۔“ ”کیا تھا۔“

”ڈالنے کے بعد تھا۔“ ”کیا تھا۔“ ”کیا تھا۔“

”کیا تھا۔“ ”کیا تھا۔“ ”کیا تھا۔“ ”کیا تھا۔“

بھی موڑ سائیکل پر نکال بیٹے لگایا ہوا۔
زوہبیا کے ہاتھ پر بندھے ہنڈتھے اور مٹھے ہیں روشن
ٹھوٹس دیا گیا تھا۔

”اسے کھولو“ فریدی نے کہا۔

”دیکھو، تم اچھا ہیں کوئی سہے ہو۔“

”کیا تھیں اس لڑکی کے سلسلہ بچتے ہوئے تم نہیں
آئے گی۔ آدمی یتو فریدی نے کہا۔

”جیسا مصائب“ وہ دروناک آوازیں بولی ہیں جیسے سلطے
تھے تیسری موت تھی۔“

”بھنی تم تو پہلی بار ہی تھوڑے
آپ لشکن بچھے میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ اُسے
علم تھا کہ مجھے یہ دو آدمی اس سے پہلے موت کا شکار
ہو چکے ہیں لہذا وہ میرا زندگی دیافت کرنا چاہتا تھا میرا زندگی دیافت
کہرے دوست تھے۔ جب پر دیز صاحب سے ملاقات ہوئی تو
اس نے مجھے تاکہ کردی کہ میں ان سے ہوشیار ہوں میکن میں
ان سے ملتی ہی رہی۔ آپ خود ہی سوچ چکے کہ آدمی کسی سے ملتے
بھر کیے زندگی گزار سکتے ہے۔ مگر اس نے مجھے کہا کہ انگریزی
سے بلند آدمی تھا۔ وہ دولت مند بھی تھا، ذی علم بھی تھا اور بھیرنی
زوہبیاں تھیں اس میں۔ گوئی کی موت کے بعد اس نے میری
قلم و تربیت کی لیکن وہ ہمیشہ میرے والدین کے متعلق لفتگو
کرتا رہتا تھا۔ ہر دقت مجھے اس احساس میں بدلنا رکھتا تھا
کہیں ایک بے سہارا نامعلوم والدین کی بیٹی ہوں۔“

”وہ بوڑھا کہاں مل کے گا؟“

”لیکن یہ نہیں بتایا کہم اس گوئی کو کہاں نہیں تھی؟“

”نہیں، اس نے نہیں بتایا لیکن وہ مجھے اس گوئی کا
سہاٹی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“

”یہ کیوں ہے؟“

”گوئی پچھلے طبقہ کی مسلم ہوتی تھی لیکن وہ بوڑھا ہر لخاظ
سے بلند آدمی تھا۔ وہ دولت مند بھی تھا، ذی علم بھی تھا اور بھیرنی
زوہبیاں تھیں اس میں۔ گوئی کی موت کے بعد اس نے میری
قلم و تربیت کی لیکن وہ ہمیشہ میرے والدین کے متعلق لفتگو
کرتا رہتا تھا۔ ہر دقت مجھے اس احساس میں بدلنا رکھتا تھا
کہیں ایک بے سہارا نامعلوم والدین کی بیٹی ہوں۔“

”وہ بوڑھا کہاں مل کے گا؟“

”خداجنے آج سے دو سال پہلے وہ ایک دن اچانک
فاث ہو گیا اور چرچ آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا
مر گیا؟“

”بڑی عجیب کہانی ہے۔ فریدی نے ہیرت سے کہا۔
ندھے فاموش رہا اور بھر پوچھا۔ تمہارا مستقل قیام کہاں رہتا ہے؟“

”قام ابادیں۔ وہیں میں نے ہوش سننہا تھا اور وہیں
اپ بھی رہتی ہوں۔ گوئی کامکان مختصر سا اور شکستہ حالت میں
تھا۔ مگر قہلا راز کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پر کرتا ہے؟“

”تمہارے والدین۔“

”اوہ... میں نہیں جانتی وہ کون تھا، کہہ ملتے
کہتے؟“

”تمہارے پانچ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے اور میں اسے
لیٹ کر لیتی ہوں لیکن یہ نہیں جانتی کہ چیک کون بھیجا ہے۔“

”اس کے دستخط بھی کہہ میں نہیں آتے۔“

”یہ توہینک سے معلوم ہو سکتا ہے۔“

”میکن یہ نہیں معلوم ہو سکا۔ میں نے بہت کوشاں کیا ہے۔“

”میں معلم کر لوں گا۔“

”میں زندگی بھرا پکی احسان مندر ہوں گی۔ یہ الجھن
کا شہر نہ کیا جائے۔“

”تم کبے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری ماں نہیں تھی؟“

”سلے پڑی کہتے تھے۔“

”بھرا خرم نہ کے پاس کیجھ تھیں؟“

”مجھے سے کوئی راز دالتا ہے جو ہر سے لیجھی راز ہے۔“

”لیکن تم اس آدمی سے واقعہ یعنی جو کچھ رطخ کا شکار ہو
لیا تھا؟“

”جی ہاں۔“ وہ دروناک آوازیں بولی ہیں جیسے سلطے
تھے تیسری موت تھی۔“

”بھنی تم تو پہلی بار ہی تھوڑے
آپ لشکن بچھے میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ اُسے
علم تھا کہ مجھے یہ دو آدمی اس سے پہلے موت کا شکار
ہو چکے ہیں لہذا وہ میرا زندگی دیافت کرنا چاہتا تھا میرا زندگی دیافت
کہرے دوست تھے۔ جب پر دیز صاحب سے ملاقات ہوئی تو
اس نے مجھے تاکہ کردی کہ میں ان سے ہوشیار ہوں میکن میں
ان سے ملتی ہی رہی۔ آپ خود ہی سوچ چکے کہ آدمی کسی سے ملتے
بھر کیے زندگی گزار سکتے ہے۔ مگر اس نے مجھے کہا کہ انگریزی
نے پر دیز صاحب سے ملنا جتنا ترک نہ کیا تو وہ پر دیز صاحب کو
قتل کر دے کا لہذا اکل شام پر پر دیز صاحب کو نیرے رفتے
سے پڑی تکلیف بھی پڑھا۔ بھر کا دلوں میں جگڑا ہو گیا اور آج۔“

”لیکن میں اس راز میں شرکی کر سکوں۔ بات دراصل
یہے کہ تمہارے دوست کی موت کے سلسلے میں پڑیں
پر دیز پر شبہ کر رہی ہے۔ غلام ہے کاگز پالیں کاشہر رفع
وہ بھر کا تو پر دیز بڑی مصیبت میں بخش جائے گا۔“

”نہیں پر دیز صاحب کا اس موت سے کوئی تعلق نہیں
ہو سکتا۔“

”بھرا سر کی پشت پر کون ہو سکتا ہے؟“

”بھی نہیں اسی تک نہ حل کر سکی۔“

”ذہاب اس راز کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پر کرتا ہے۔“

”تمہارے والدین۔“

”اوہ... میں نہیں جانتی وہ کون تھا، کہہ ملتے
تھا کہ میرے پانچ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے اور میں اسے
لیٹ کر لیتی ہوں لیکن یہ نہیں جانتی کہ چیک کون بھیجا ہے۔“

”ذہاب اس راز کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پر کرتا ہے۔“

”تمہارے والدین۔“

”اوہ تو گیا تھیں بھی کسی رانکی جسم تھی؟“

”جی ہاں۔“ وہ عجیب اندازش اولیٰ میں صرف اپنالازم
کا پاہتا تھی بھل۔“

”میں نہیں بھل۔“

”اوہ تو گیا تھیں بھی کسی رانکی جسم تھی؟“

”جی ہاں۔“ وہ عجیب اندازش اولیٰ میں صرف اپنالازم
کا پاہتا تھی بھل۔“

”میں نہیں بھل۔“

”اوہ تو گیا تھیں بھی کسی رانکی جسم تھی؟“

”جی ہاں۔“ وہ عجیب اندازش اولیٰ میں صرف اپنالازم
کا پاہتا تھی بھل۔“

”میں نہیں بھل۔“

”اوہ تو گیا تھیں بھی کسی رانکی جسم تھی؟“

”جی ہاں۔“ وہ عجیب اندازش اولیٰ میں صرف اپنالازم
کا پاہتا تھی بھل۔“

”بھرے لیے سو بان روح بن کر رہ گئی ہے۔“
”فریدی کچھ نہ بولا۔ موڑ سائیکل سٹاٹے کا سیدھا جسروں
کے لئے رہی۔“

”*“

”دوسری صبح کا سورج کچھ بھی کا ساتھا جیسے نہ
انگوٹھی کے کھڑکی پر دنوں باہتہ ٹیک دیے۔ سورج بھاروں
کے پیچے سے ابھر جاتا تھا اور خلاں چاروں طرف شوائیں
کے تیر اڑتے پھٹکتے تھے مگر جیسے کوئی صبح کچھ ادا اس
ادا سی لگ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے الیسا موسوس
ہو رہا تھا جیسے کچھ بھول گیا ہو، جچھ کھوبی دیا ہو۔ اس نے انکھیں
بند کر کے دو تین گھنی گھنی سائیں لیں اور بھڑکی پر کھینیاں
ٹیک دیں۔“

”مقدار اور سورج رہا تھا۔ سطح مندر سے کمی فٹکی بلندی
پر بھی ساتھ نہیں جھوٹ رتا۔ بھاگو... بھاگتے دہوں لیکن جس
چیز سے بھاگو گے وہ فخر و تھا رہا تھا کہ کسے کرے گی۔“

”وہ اپنی زندگی کے مخلوقات سے اٹھا کر رام گڑھ بھاگا تھا
مگر ان تھکا دینے والے مخلوقات نے بھاگی بھی سمجھا جانے جھوٹ رتا،
بھر غیر معمولی حالات میں کسی کی موت... بھر دہی زہر... اور
بھر؛ کیا یہ ضروری تھا کہ زوہبیا ری سے اس کی ملاقات ہوئی اور
ایک آدمی اس کے لیے اس سے طریقہ بھاگا تھا۔ وہ اپنے اس
کی موت کی قسم کے زہر سے واقع ہو جاتی۔ یہ مقدار سی تو تھا
اگر اب اس جنگاں سے روگرانی بھی چاہتا تو نہ کر سکتا
پوئیں خود اس پر شرکر کر رہی تھی۔ یہ شہر اپنی اصلیت فلک
کر کرے رفع بھی کیا جا سکتا تھا مگر فریدی... وہ قضاۓ میرم کی
کی طرح سر پر سوار تھا۔ وہ ہرگز اس کے حق میں نہیں تھا کہ
اپنی اصلیت ظاہر کر کے پلیں کا شہر رفع کیا جائے۔“

”وہ ان خیالات سے بھیجا جھرنا کا شہر تھا ایکنکن وہ ایک
نہیں دو لڑکوں کا معاملہ تھا۔ اُسے تینیں تھا کہ دُالی کا انتقال
بھر میں سے ضرور ہے دُالی اس کے کمرے میں ابتری بھیلاں
کا کیا مقدمہ تھا۔ یقینی طور پر یہ اسی لیے کیا گیا تھا کہ اس پر کسی قسم
کا شہر نہ کیا جائے کیا بھر اس کے خلاف بھی شہر برقرار رہی رکھتا
چاہتے تھے۔ مقصود جو کچھ بھی رہا۔“

”ناشترے کے دوران بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا۔
اگر وہ کشیشی دُالی بھی نہ اس کے کمرے میں دُالی تھی تو بھر خود
اس کے کمرے کی تلاشی کا کیا املاک بھوک سکتا ہے۔ اگر وہ بھاطر

101

تلاشیں بھروسیں ہی تھیں تو ڈالی کافرہ بھی ان کی دستبردست
محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ کافی درستک اس میثے پر خود کرتار پا اور بھر
آخر کا لائے تسلیم کر لینا پڑا کہ کسی مقامی سرانع رسالہ ہی کی
حرکت ہو سکتی تھی مگر اسے کس جزیری تلاش تھی جس کے لئے اس
نے سچے تک پہنچا دلے۔

دو بھر کے مخانے کے لیے اس نے ڈائنسنگ ہال ہی کو
ترجیح دی۔ یہ بھی بجیب الفاق تھا کہ وہ اور فریدی سائونجی
ڈائنسنگ ہال میں داخل ہوئے اور رسالہ منے والے دروازے میں
وہی سرانع رسال نظر آیا جو بھلی رات حمید کو بور کرتا رہا۔
وہ تیرکی طرح ان کی طرف آیا۔

”یا آپ بتاسیکن گے کہ آپ بھلی رات سے اب تک
کہاں رہے تھے؟“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”میکول؟“ فریدی نے غصیلہ ہمچی میں پوچھا۔
”اوہ آپ بیہاں کے غمکہ سرانع رسالہ منے تھے کتنے کئے
ہیں؟“ حمید نے فریدی سے کہا۔

”اوہ! اچھا! اچھا! فریدی سرپلائر مسکلایا۔ ابھی تک ہم لوگوں
کی طرف سے خبر نہیں ہوا۔“

”آپ براو ڈرم میرے سوال کا جواب دیجیے۔“
”میں نے بھلی رات نواب طاہر مراز کے یہاں گزاری تھی۔“

”آپ ثابت کر سکتے گے؟“
”اگر آپ کو ان کے میلی فون نمبر نہ معلوم ہوں تو ہم بتاؤں
فریدی نے کہا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہی کہ وہ آج کل ہر دقت
خوب پر مل سکتے ہیں کیونکہ اہوں نے حال ہی میں جو حقیقی شادی
کی ہے۔“

”اچھی بات ہے“ سرانع رسال نے کہا۔ میں ابھی معلوم
کیے لیتا ہوں۔“

”ہاں! کوبرا کا زہر“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا بھر پوچھا۔
”کیا آپ کو پوچھتے مارٹم کی روپیٹ کا علم ہے؟“

”نہیں۔“
”وہ کوبرا کے زہر سے ہلاک ہوا تھا۔“

”اوہ! تو یہ حقیقت ہے کہ ہمیں پھنسنے کی کوشش
کی گئی تھی۔ میں نے آج ہی اسرا کا یکمیانی بجزیہ کرایا ہے۔
کوبرا کا زہر“

فریدی کچھ سوچنے لگا بھر لواٹ ہو سکتے ہے کسی سرانع رسال
ہی نے اسی زہر کے لیے دربارہ تلاشی لی ہو۔ رہ گیا ڈالی کا
مسٹل تو ہو سکتا ہے کہ سرانع رسال نے اسے عمارے ساتھ

فریدی نے بھلی رات کی دستگیر جھیڑی اور جمیہ
حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔

”لیکن وہ اب کہاں ہے؟“ حمید نے اس کے خاموش
ہوتے ہی ماضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”فلم اسٹار روٹی کے یہاں۔ وہ بھی آج کل ہیں یقین
ہے۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ زوبیا کو ڈیواریہ پہاں والیں
آئے۔ روچی کامکان ہی تھے اس کے لیے محفوظ معلوم ہوا۔
میں نے اس گجادی سے کوہہ کوہہ کوہہ کوہہ کوہہ کوہہ کوہہ
نگرے۔“

”کیا ہیں روچی سے مل سکتا ہوں؟“
”نہیں... ابھی نہیں۔“

”کچھ دیر بعد حمید نے بھی بھلی رات کے داغات دہراتے
ہوئے کہا۔“ کسی نے مقتل کے کمرے میں پڑوں چھڑک کر لگی
لگادی تھی۔ بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا یا باس کا۔ وہی اس
کے سامان کی ایک دھمکی صبح سلامت نہیں ملی۔“

”کاش! میں اس کے سامان کی تلاشی سے سکا ہوتا۔“
”لیکن ہمارے گروں پر کس نے یہ تھا صاف کیا؟“

”اگر ڈالی گروں کی ساہنی ہے تو یہ کسی سرانع رسالہ
کی حرکت ہو گی۔“ فریدی نواٹ اور اگر گروں نے ہمارے متعلق
صحیح سلوکات فراہم کرنے کے لیے یہ اقدام کیا تھا تو ڈالی ان کی
ساہنی نہیں ہو سکتی لیکن ڈالی مشتبہ ہے کیونکہ اس نے ہمیں
اپنا پتہ خلط بتایا تھا اور ہمارے سکرے میں اس کے علاوہ اور
کوئی نہیں تھا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اس شیشی میں کیا ہو گا؟“
”ذہر...“ حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ہاں! کوبرا کا زہر“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا بھر پوچھا۔
”کیا آپ کو پوچھتے مارٹم کی روپیٹ کا علم ہے؟“

”نہیں۔“
”وہ کوبرا کے زہر سے ہلاک ہوا تھا۔“

”اوہ! تو یہ حقیقت ہے کہ ہمیں پھنسنے کی کوشش
کی گئی تھی۔ میں نے آج ہی اسرا کا یکمیانی بجزیہ کرایا ہے۔
کوبرا کا زہر“

فریدی کچھ سوچنے لگا بھر لواٹ ہو سکتے ہے کسی سرانع رسال
ہی نے اسی زہر کے لیے دربارہ تلاشی لی ہو۔ رہ گیا ڈالی کا
مسٹل تو ہو سکتا ہے کہ سرانع رسال نے اسے عمارے ساتھ

102

ہاں یہ حقیقت ہے کہ زوبیا اپنے دینی بیگ میں اختارتہ یہ دیانتی
کا پستول رکھتی ہے۔ ڈالی نے صحیح اطلاع دی تھی۔ یہ ڈالی
میری سمجھیں نہیں آ رہے تھے۔“

”آپ کی سمجھیں مشکل ہی سے آئے گی کیونکہ وہ جوان
بھی ہے اور حسین بھی۔“

”تم اس پر اپنے شر کا انہصار نہ پوچھنے دینا۔“

”وہ تو ہو سمجھی چکا بچھلی رات“
”کیا مطلب؟“

حمید نے اسے بتایا کہ کس طرح ڈالی سے فون پر جنپر
ہوئی تھی اور اس نے اس پر یہ بات واضح کر دی تھی کتابجاہ
تک کوئی اُرٹن نیکٹری اس نام کی نہیں ہے جو اس نے اپنے
باپ سے منسوب کی تھی۔

”پرداز کو دمگراں کے بعد تم نے ڈالی کے دینے میں کوئی
تبديلی پائی تھی؟“ فریدی نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ آج وہ ابھی تک مجھ سے ملنے نہیں آئی۔“
”بھی نے جواب دیا۔

”چہ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے چھر پوچھا تھا کیا زوبیا
اس پتقل کا لاثن رکھتی ہے؟“

”ہاں! اور اس کے لیے لاثن جفری نے حاصل
کیا تھا۔“

”کون بتفہری؟“
”وہی بٹخ کا شکار۔ وہ قائم ڈاڈ کے مکمل خاندان سے
تعلق رکھتا تھا لیکن زوبیا نے یہ بات میرے علاوہ اور کسی
پر فاہر نہیں کی۔“

”دیہر کے نکلنے کے بعد حمید ڈالی کی تلاش میں نکلا،
لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔ اس کا مرکہ مقلع تھا۔ وہ بھر ڈائنسنگ
ہال میں والیں آگیا۔ فریدی ابھی تک موجود تھا۔“

”قائم ڈاڈ سے اطلاع ملی ہے حمید صاحب۔ وہ اکاڈنٹ
جس نے زوبیا کو سہ ماہ روپے ادا کیے جلتے ہیں کسی ڈاکٹر
ناہر کا ہے۔ اب تک زوبیا سے معلوم کر دیا گا کہ وہ کسی ڈاکٹر
ناہر سے مانع ہے یا نہیں۔“

”بھر دہ انہوں کو جو جلدی نکلے دیا۔“
”کہہ جائیں،“

”کسی بیکار کا لال بوجھ سے زوبیا کو فون کر دی گئی۔“
”وہ جلا گیا اور حمید ان فیلم روڈ آرٹسٹوں کو دیکھنے لگا۔“

پہنچنے والا کسیوں پر داٹنگ ہال میں لائے گئے تھے۔ وہ سوچتے
لماک آخرا نہیں بیہاں لانے کی کیا خود رست تھی۔ وہ اپنے کمروں
میں کھانا کھا سکتے تھے مگر ہر خالی آیا کہ وہ تو اس طرح ایک دوا
از جین "کی پہلی" کر رہے تھے۔ ہر اڑست کے ساتھ ایک بھر
کرتے والا بھی تھا۔ ان کی کرسیاں دہی لوگ دھکیل کر رہے ہیں
لائے تھے۔



"ڈاکٹر اسفندیار کے پیے سب کچھ مکن ہے جناب!"
میں نے یہ نام بہت سنائے یعنی کسی نے آج تک

ڈاکٹر اسفندیار کو دیکھا جی ہے؟"

"یہ سعادت مجھے حاصل ہو جی ہے جناب۔ ویسے حکومت
کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ڈاکٹر اسفندیار منظر عام
پر کیوں نہیں آتے ہیں۔ اگر وہ منظر عام پر آنے لیں تو ان کا
کمی ہو اور مرنسے والے کا تعزیز بھی زد بیساہی کے گرد سے ہو۔
اس سے پہلے بھی کمی بار وہ ایسے ہی حالات سے دوچار
ہو چکا تھا۔ دو گروہ ہوں ہیں جنگ ہوئی اور کمزوری نے والے
گروہ کے کچھ آدمی پولیس کے ہاتھ لگ جاتے اور یہ لوگ پولیس
ہر وقت ہر قسم کی مراعات دینے پر تیار رہتی ہے۔"

حید نے اسے اپنے ساتھ بٹھئے کی دعوت دی جو فوراً ہی شکر
کے ساتھ قبول کر لی تھی۔ حید کھانا کھا پکھا تھا۔ ناگری نے بتایا
کہ وہ بھی کھانا کھا چکا ہے۔ آخریات کافی پر ٹھہری۔ حید نے

"کیا رہا؟" حید نے پوچھا۔

"وہ کہتی ہے کہ ناہر تو اسی بوڑھے کا نام تھا جو کوئی غورت
کی موت کے بعد اس کی خبر گیری کرتا تھا لیکن وہ بھی جانتی کہ
وہ ڈاکٹر بھی تھا۔"

"یہ آخر ہے کیا چکر؟" حید اپنا سر سہلا کر لیا لیکن فریدی
خاموش ہی رہا۔

۲۲ ناقنی سی آئی ڈی اسپکٹر اسی تک اسی چکر سی تھا کسی
درج حید کو مانوذ کر لیکن اسے یہ ثابت کر دینے میں ناکامی ہی کا
مسئلہ دیکھتا پڑا اس طبق کے ملے کے وقت عید حنوں کے آس
پاس ہی کہیں موجود تھا۔ حید کو لے جیڑنے میں بڑا لطف آتا۔
ڈالی اب بھی حید کے گرد منڈلار ہی تھی۔ اس نے بڑے
خاؤں کے ساتھ اعلان کر لیا کہ وہ اپنی اصلاحیت کے بارے
میں اس سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"میری عادت ہے۔ اس نے کہا۔" میں اپنے متعلق کسی
کو صحیح بات نہیں بتاتی۔"

"تاب پھر تمہارا نام بھی سائی ہو گا؟"
میکوں؟"

"مالی کوڑا میں تبدیل کر دینا مشکل کام نہیں ہے۔"
نہیں میں نے اپنا نام غلط نہیں بتایا۔"

کچھ دیر بعد حید نے اپنی نیم مردہ آٹشوں کو کھا لکھتے
دیکھا۔ وہ اپنے باخوں سے کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ان
آٹشوں کے ساتھ ایک منتظم بھی تھا اور یہ خود بھی ایک شنڈار
آڑست ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ان آٹشوں کی طرح وہ نیم مردہ
فیض تھا۔ اس کا سیستم لا جھکلا تھا اور بازوں میں بھی خوبی
غیر میں اور جالیں کے درمیان بھی ہو گی۔ آٹشوں کی بھر
گیری کرنے والے اسے تاجری صاحب، کہہ کر میں اپنے مطلب کر سکتے۔
اس وقت وہ بھی آڑشوں کے ساتھ بیہاں آیا تھا۔
حید نے اسے اپنے ساتھ بٹھئے کی دعوت دی جو فوراً ہی شکر
کے ساتھ قبول کر لی تھی۔ حید کھانا کھا پکھا تھا۔ ناگری نے بتایا
کہ وہ بھی کھانا کھا چکا ہے۔ آخریات کافی پر ٹھہری۔ حید نے
کافی کے لیے آرڈر دیا۔ پھر دیر تک حید ان آٹشوں اور اس
عجیب غریب مشروب پر حیرت فاہر کرتا رہا پھر بولا یہاں ایک
بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کی حالت اتنی ابتر کیوں رہتی ہے؟

"اوہ، دیکھنے تا جناب۔ یہ لوگ دراصل از جین کے اشتہار
ہیں اور یہ مشروب بھی صرف وقوع اتفاق کا حامل ہے۔ اسی میں
از جین کے ہذا جذب اشتمل نہیں کیے گئے جو مستقل طور پر اعصاب
کے لیے صحت بخش ہوتے ہیں۔"

"کیا ان کی یہ کیفیت قدرتی ہے؟"
نہیں جناب! انہیں ایسی ادویات دی جاتی ہیں جن سے
اعصار۔ بد کہ درجہ تھے ہیں:

مگر یہ تو ظلم ہے اور شاید جرم بھی؟"
لیکن خود وہ لوگ ذا سے جرم سمجھتے ہیں اور نہ ظلم۔ انہیں

اس کے لیے بہت بڑے بڑے معاوضے دیے جلتے ہیں اور
ان کی نزدیکیوں کی بھی سماںت دی جگی ہے۔ ایک معینہ حدت کے
بعد انہیں از جین کا عمل نہ استعمال کرایا جائے گا اور یہ مہول
پر آجائیں گے۔ ہم نہ اس کے لیے باقاعدہ طور پر فراہت صحت

کے اجازات نامہ حاصل کیا جائے۔"
بجھے سخت حیرت ہے۔"

بچھا شاچ کا تفریخ پر وکام کیا ہے؟
کیمپن جمیں ہمیں ہمیں سے بھر و عرب میں چھلانگ لگانے کا
"مود تراپ ہے۔" فریدی اس کی جھانہٹ پر مکاریا پھر
آہستہ سے بولا۔

"وہ رقص شاید آج کوئی دوسرا کارنامہ پیش کریں گے؟"
"خدا نہیں معاف کرے۔" جمیں بُرا سامنہ بنانکر بولا۔
"یکونک وہ دوسروں کے لیے تفسیح ہمیٹا کرتے ہیں۔"
"چلو اٹھو! ہیاں بہت گھنٹ ہے۔"
"نہیں جھونکنا ہے۔"

"نہیں! اس آج تمہاری بارات نکالوں گا۔"
وہ شاید اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا پاہتا تھا۔
طوعاً و کرہاً جمید اٹھا اور بیس تبدیل کھر کے کھڑے کھڑے
اونچھنے لگا۔

"کیا نہیں بھی انہر جین کا ایک ڈوز دیا جائے؟" فریدی
اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔
جمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی اڑیل گھر کی طرح آتی ہے اور
چل رہا تھا۔

"آن ہاتھوں میں کھجولی ہو رہی ہے۔" فریدی نے
آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"
"آج وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں اور ان
کی تعداد تیرہ سے تھم نہیں ہے۔"

"وہی جھوٹ نے زد بیا کواغو اکیا تھا۔"
"ہاں... آں... آں... ان کے علاوہ اور کون ہو گا؟"
"تو کیا وہ ہیاں موجود ہیں؟"

"قطیٰ... کیا تم اپنے بچھے قدموں کی آواز نہیں سن
رہے ہو۔ نہیں مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیں چلتے
رہو۔ فی الحال یہ صرف ایک آدمی ہے لیکن جیسے ہی ہم لان
پر بھیں گے تھا اور بڑھ جائے گی۔"

"اچھا تو آپ اپنے کھر سے میں جائیں گے میں ان سے کھجولوں
کا۔ صرف آپ کسی ایک کو پہنچواد بیجے۔"

"اویچے اڑا رہے ہو فرمزند۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان
لیگوں سے نہیں الجھنا چاہتا۔ شیخ تو وہ آدمی چاہیئے جس نے
انہیں اغوا کے لیے تیار کیا تھا۔"

"لیکن اگر وہ انتقامی کا دروازی کر بیٹھے تو یہ ظاہر سہکا کا

نے ان کا کھیل بلکہ اتنا تھا۔
”تب ہو سکتا ہے میرا تھا ان پر اٹھ جائے لیکن اس
سے پہنچ نہیں،“
دہ دنوں عمارت سے باہر آگئے اور اب وہ رقص کا
کی طرف جا رہے تھے۔
”ابس تم اس طرح پلٹ پڑھو جیسے تھیں اس بات کا علم
نہیں۔ فرمدی تھے کہا۔

محید گھونے بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ رات دھمل
دھپے کے لیے تو قطبی نوزول نہیں ہے۔ آج دن بھر موسم بہت
اچھا رہا تھا لہذا رات بھی خوشگوار تھی پھر پر افغان ماحول۔

”رقص ختم ہو چکا تھا لیکن رقص کرنے والی اب بھی دیں موجود
تھی۔ وہ جاتی بھی کہا۔ کیونکہ ایک جم غیر نیا ہے پھر لیا تھا۔
لوگ اسے تھافت پیش کر رہے تھے۔ تھا ان پھر کامیاب کر کے
تھے جو کچھ دیر پہنچے۔ محید کی ڈلیوں کی طرح چائے کے رخ۔
محید بھی اس سے بھیرنے شامل تھا لیکن فریدی نے اپنی
جلد سے اٹھنے کی بھی زحمت نہیں کو اکی تھی۔
ذرا ہی دیر میں رقص کے اٹے تھافت کے ذہر گئے۔
چھ لوگ اس کے اٹو گراف بھی چاہئے۔
دو یارین ہفت کے بعد مانیکروں سے آواز آئی ڈا ب۔

براد کوم اڑٹ کے پاس سے ہٹ آئی۔
بھیرنے کی بھی نیکن محید چپ چاپ سر جھکئے کھڑا رہا۔
”فرماۓ... جناب...“ رقص نے محید کو ٹکرایا تھا لیکھا
”ایک سخن پیش کرنا پاہتا ہوں۔“

”جلدی کیجیے۔ میں اب غلکی سی غور سی کر دی ہوں۔“
”میری طرف سے شمال کا غلیم پہاڑی سسلہ تھنچ قبول
فرمائی۔“ محید نے اتنی سخن دی کہا تھا قاصہ ہے کہا بکارہ بھی۔
شیدیہ مزاج اس کے لیے غیر موقوع تھا۔ اس نے بہت سبرا
سامنہ نیا اور سر کو پر غزوہ سا جھکا دے کر دھری طرف
فرمائی۔

”محید آہستہ آہستہ عطا ہوا اپنی میز کی طرف واپسی
دا لیا تھا لیکن دفعت اس کے قدم ڈک گئے۔ اس نے فریدی کو دیکھا
جو دو اجنبیوں کے باروں کا سہارا لیکھا کر طرف جا رہا تھا۔ اس
کے قدم لٹکھرا رہے تھے۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس نے
بہت زیاد پیلی ہے۔ کا جا بار لیکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔
رقص شروع ہو گیا۔ دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔

ہا سکتا ہے۔ دہ دنوں بھی اسے یہ روپی چالکی کی طرف لے جا
سے تھے۔ یکاں کی خیالیں کا کفریدی نے بھاول آتے وقت
چند تعاقب کرنے والوں کا تذکرہ کیا تھا تو پھر کیا وہ اس پر قابو
پا گئے ہیں لیکن یہ صرف دو آدمی یہی صرف دو آدمی اور فریدی
کو اس طرح نے جائی۔ یقیناً انہوں نے کوئی خاص طریقہ
اختیار کیا ہے۔ لیکن ہے اُسے کوئی بھرپور حکم کے سے دے
دی گئی ہو جس سے ذہن قابو میں خدا جائے پھر اسے یاد
آیا کہ فریدی کے تعاقب کرنے والوں کی تعداد حیرت بخوبی تو
اس کا یہ مطلب ہوا کہ دھرے اسے آدمی بھی ہیں موجود ہوں گے۔
لیکن ...

محید نے مزید خود کرنا بے کار تھا۔ دھرے ہے ہی لئے
اس کا مارخ بانات کی طرف ہو گیا۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا
کہ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے مانیں۔ ویسے دہ بانات سے
گزرتا ہوا پھاٹکتے تھے بھی ہر ہنچ سکتا تھا اور شاید ان لوگوں
کو پہنچے بھی جو ڈسکٹا تھا جو فریدی کو پچھلکی طرف نے جا
رہے تھے۔ محید کی رفتہ بہت تیز تھی۔ پھاٹک پہنچنے سے
قبل ہی وہ مطمئن ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔
عکوفیت ہی دیر بعد اسے دہ دو فوٹ آدمی نظر آئے
چھری کو سہارا سیتے ہوئے کہیں ملے جا رہے تھے۔
دفعہ اس نے فریدی کو کہتے سنایا۔ ”بھائی ذرا آہستہ۔
بھی دکھائی نہیں دیتا۔“

وہ دو فوٹ اس پر کچھ بولے نہیں، البتہ محید نے عکس
کیا کہ وہ آہستہ چلتے گئے ہیں۔ ان کا مارخ ادھر ہی تھا جاں
لاریاں پارک کی جاتی تھیں۔

محید بھی خود دھکا ڈلیوں کی اڑ لیتا ہوا اسی طرف بڑتے
لگا تھا۔ وہ لوگ ایک لاری کے قریب تھے گئے۔ محید
چکا ڈلیوں سے نکل کر پارک کی بھوئی کاروں کے درمیان گیا۔
پھر جیسے ہی فریدی کو لاری میں جٹایا گیا پاہی آدمی اور
لاری کے قریب پہنچ گئے گھر اور سہارا میں سلت ہو
گئے۔ جب وہ بھی لاری میں بٹھ چکے اور ماخن اسٹارکا کو
دیا گیا تو محید نے لکھا جیرت اگیز ٹھرپتی دکھائی جو شاید
فریدی کے لیے بھی غیر موقوع تھی۔ یعنی لاری کے حرکت میں
کافی سے بچھے ہی وہ اس کی جھٹکتی پر پہنچ چکا تھا جیسے اس نے
بات سہک کر اپنے پہنچ جانے کے بعد وہ غیر موقوع طور پر کی
تھی۔ اسی وجہ سے دو چکا ڈلیوں ہو گیا ہو۔ وہ دامنی کو دو ڈلیوں پر

رہ جاتی ہے۔ حقیقتاً اس کا قصہ ماستر پیٹھا جس میں وہ لکت
کے بعد غصہ اور نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ اس پر آہستہ آہستہ ہشت
سی ٹاری ہوتی جاتی ہے اور پھر یک بیک ایسا معلوم ہوتے لگتا
ہے جیسے اس کا دامن بالکل ہی اٹ کیا ہو۔ وہ فرش پر پڑے
ہوئے پھر چلتے لگتے ہے۔ اس وقت اس پر چاروں طرف
سے بہت ہی تیز قدم کی روشنیاں ڈالی جاتی ہیں۔

نزدیک دو فریڈی کے لوگ اسے پھر چلتے دیکھ رہے تھے۔

دفعہ مانیکروں کوں سے آواز آئی۔ یہ از جین کا دوسرا کو شمش
مالا خطر فرمائی۔ جن مصاحب کو بھی ان پھرولی کی اصلیت پر شہر
ہوئے سبب دیکھ سکتے ہیں، انہیں پر کہ کہتے ہیں:

”رقص ختم ہو چکا تھا لیکن رقص کرنے والی اب بھی دیں موجود
تھی۔“

”دھجی دھجی کہا وہ کسی کی سرگرمی کے بعد مغلن کی آواز
موسیقی کا ریکارڈ تھم ہو جانے کے بعد مغلن کی آواز۔“

”آئی ڈالی سے بہت آج پھر نیم مردہ رقص اپ کی خدمت میں
ایک پروگرام پیش کریں گے۔ ان جین کا ایک اور حیرت انگیز
کر شہر ملا خطر فرمائی۔ ان جین جو بہت جلد اپ کی خدمت
میں حاضر ہو گی۔ ان جین بھاگ آپ کو ہر دو فروش سے حاصل ہو
سکے گی۔ اس ان جین کا کوئی شہر نہیں...“

دفعہ لاڈا سپیکر کی آواز خراب ہو گئی اور بھر مغلن نے

جو کچھ بھاولہ کسی کی سمجھی میں نہ آسکا۔

”پبلیٹی کا لئنا شاندار طریقہ ہے۔ فریدی نے کہا۔“

”جھنم میں جھونکیے۔“ محید چاروں طرف دیکھا ہوا الجلا۔

”وہ لوگ کہاں ہیں؟“

”یہیں میں اور سبھوں بھر میری نظر ہے تم اس کی نظر نہ
کرو۔ ان جین کا نیا کھر شہر دیکھو۔“

”محید کچھ نہ بولا اور پارپان سلکا گرسہ پے نکلا۔“

”خودی دیر بعد نیم مردہ رقصوں کا پروگرام شروع ہو گی۔“

”آج وہ ”جنت اور نفرت“ پر ایک قصہ پیش کرے دالے تھے
اگر شہر اور موسیقی کو ہر رہا تھا۔ رقصوں پر چار جانب سے منت

رنگوں کی روشنیاں پڑنے لگی۔“

”رقص شروع ہو گی۔ دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ
دو لوگ ہی اس سے جھٹکتے کرتی تھیں سڑک کا ہمنا ایک کھل
مالی تھا۔ دو لوگ اسے اپنی جانب پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی ہرن ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی۔ رقص کرنے ہوئے تھے
کہ رقص کا ہے جانی ہے پھر شکست خلاصہ لڑکی تھا۔“

”اگر عمر نبادہ ہوئی تو مجی نہیں کہا جائے مگر نہیں رہتے ہیں
بیان سے چھلا نہیں لگا کہ جان دوست کا کتنی بھی دل دل کا۔“
عورت نہیں ایک پہکا سارا تھوڑہ لکھا ہوا وہ عجید بے ساختہ
پونک رکھا۔ پہنچی بیکی جوانی پہنچنی جعلی گئی۔
”ڈالو!“ اس نہیں تھا اس نہیں دھرمیا اور رہا ہے انہوں کا
دباریک بیک بہت کم ہو گیا۔ عجید امتحان ہی تھا۔ اگر اس کا
سے خدا نہ رہا تھا۔ درستہ ہی کئے ایک بھی ٹھیک کے راستہ
اس نہ رہا الہ اس کے ہاتھ سے بھیں لیا۔
”تم... تم... کون ہوئے؟“ عورت نہ زور نہ دھا اور
میں بیوی ہوں۔

”دہی پر ناخو ط خور پر دھیر کر
تیرت تھے ایک طویل سانس لی۔

پھر دیر تک دونوں ہی خاموش رہے پھر ڈال دئے کہا۔
”تم میرا بھر نہیں لگا رکھ سکتے۔“
”ظاہر ہے کہ تمہارے سات آدمی نیچے موجود ہیں۔“

عیدِ بولا۔

”تھکی غلط فہمی میں بستا ہوئیں ان سے واقع نہیں کہوں۔“
”پھر کیا تم یہاں یہی مونگ پھلیاں کھا رہی تھیں۔“
”نہیں۔“ میں نے چند آدمیوں کو آج گفتگو کرتے سناتھا۔
”وہ یہاں سے کسی کو نزبردستی لے جانے کارادہ رکھتے تھے۔“
”کیا تم انہیں پہلے سے جانتی تھیں؟“
”میں اس سے کیا سروکار، لیکن میرا ان لوگوں سے
کئی تعلق نہیں ہے۔“
”پھر دیر فاؤشی رہی پھر عید نے پوچھا۔“ وہ کے پکڑوں
لے چاہ رہے ہیں؟“
”میں یہ بھی نہیں جانتی۔ مجھے آرائی کی قیام کاہ معلوم
کرنے سے۔“

لهم إني أستغفرك لذنبي ما بعثتني به- كي لا يهلكني
لهم اغفر لي ذنبي ما بعثتني به- كي لا يهلكني

”مہولے گے“ تھی میلہ نے بے پروائی سے کہا۔ ”تھا جب کوئی کسی دیکھنے میں وال کو بھون دالا اصل نہ تھا۔“
والی پڑھ لیں۔ ”ایسا وہ بُری طرح بانپ دی گئی تھی تھی جیسا
کہ کہا۔“ تھا اس کے شے دھوکا دیتی رہی تو
”مگر کیا تم دھوکا کھو کر کیا تھیں پہلے ہی سے مجھ پر
شہید ہیں تھا؟“ والی نے کہا۔

”اسی وقت سے جب تم نے اس لڑکی کے دینی بیک
پستکی موجودگی کا اندر کرہ کیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ
مرنے والہ بھائی سری بلٹھوں ختم ہوا تھا۔ میر تم زیری کی شیشی میر کے
مرے سے یہ وال کی تھیں تاکہ میں...“

”تم نے میں تو تھیں کہو؟“ وال بول پڑی۔ ”یہ بکواس
ہے۔ تم کے ابھی جو کچھ کہا ہے اس میں ذرہ براپ بھی سچا نہیں
ہے۔ میں آخر سے تیر کیوں دیکھ لیں گی۔“

”اپنے مددگاروں کی خاطر“
”میرا کوئی مددگار نہیں ہے“
”پھر تھیہاں کیوں نظر آ رہی ہے؟“
”لبس لیوں ہی مجھے ایڈو نجیر کا شوق ہے۔“
”اگر میں تھیں نبچے دھکیل دوں تو کیسی رہے؟“
”اگر... کیوں؟“ دالی ہسطانی۔
”لبس لیوں ہی۔ ایڈو نجیر کی خاطر۔ میں بھی ایڈو نجیر کا
عاشق نہ رہوں۔“
”جیسی ہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ میرا خیال ہے کہ تم ان
لگن سے تسلی نہیں برسکتے؟“

”میرا تعلق تھا رب مددگار و سے ہو گا“
ڈال پھنسنے والی کل دستاں کر ہو گئی۔ جمیلہ سونچے
تھا کہ ہم نے پوچھا تو اُنہوں نے آواز نہ سنبھال پڑی۔ پھر لالہ کا اپنی
ٹھلاشتا شور پیا۔ پھر کان کی آفانس سکے سن لیے جانے
کا کام

لکھنؤ کے پرانے ناموں میں سے ایک تھا کہ دیکھانے کے لئے بھائیوں کو
لکھنؤ کے پرانے ناموں میں سے ایک تھا کہ دیکھانے کے لئے بھائیوں کو
لکھنؤ کے پرانے ناموں میں سے ایک تھا کہ دیکھانے کے لئے بھائیوں کو
لکھنؤ کے پرانے ناموں میں سے ایک تھا کہ دیکھانے کے لئے بھائیوں کو

لاری کی رفتار پھر تر ہو گئی۔ وہ رفتار یہ مڑنے ہی کے
لیے آسمان پرچھنے لگی تھی۔

”میں اب پتا فرم کیا کہ یہ ہی تھیں؟“ حمید دوبارہ
پیش کیا ہوا بولدا۔

”تم حصہ تھے کون ہو؟“

”محیت میں دُم فول ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ
کسی طرف جلدیں کو سطھن کر سکوں لیکن کچھ میں نہیں آتا کہ تھا را
جزرا فیہ کیا ہے؟“

”اگر ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تو یہاں نظر کیوں
آ رہے ہو؟“ ڈالی نے حمید ہی کا جلد دسر لایا۔

”ایدھو خیر، مائی سویٹ پی۔ ہنسی ڈلی ماٹلڈا اسکوک؟“

”کبھی کبھی تم فٹکوں کے انداز میں گفتگو کرنے کے تھوڑے
پستانہیں کب کیسے آدمیوں کا ساتھ ہو جائے۔ اسی
لیے میں بھانت بھانت کی بولیوں کا ماہر ہوں۔“

لاری کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ بالآخر وہ بُک
ہی گئی پر کھڑکی کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ حمید فاموں ش
ہی رہا۔ ڈالی کو ہمیں جیسے سانپ سونا گیا تھا۔

پھر دیکھ لیا۔ جیسا کہ میر نے سرا اٹھایا۔ جہاں چار دل طرف جماعتیوں
ادھر گئے درختوں کے سیندرے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جگہ خشک
کڑاویں کے دھرم رکھ کر آگ کی پیشیں اٹھ رہی تھیں اور اس دیجے
تھے کہ اونک اتنی جگہ تو ابھی طرح روشن ہو گئی جہاں وہ ساتوں
فریدی سیستھ خالوں کو شکھ رکھتے تھے۔ فریدی اب بہوش میں تھے
آرٹھتا لیکن اس کے دو نوں بڑھتے پیشت پر بندھ ہونے تھے۔
”اے۔ تو یہ تمہارا سامنی ہے؟“ والی نے ایک طویل
سائز

لاری ایک لگنیر کے درخت کے نیچے کھڑی کی گئی تھی،
جس کی شاخیں اسکی جب پر جملی ہوئی تھیں اس لیے وہ دونوں
پہلیں کے احتفل سے بے پرواں رہا۔ مگر کچھ مدت
کے بعد ایک طرف حماریوں سے ایک نتاب پوش خودار ہوا۔
لندے گھو کر دہ ساتوں لائک ٹشٹکے نتاب پوش
ریدی کے سلسلہ کھڑا اس سے کھوئی تھا۔ پھر بولا دزدیا کہاں ہے؟
”جہاں یہی ہوگی بہتر ہوت ہوگی۔ تم ملٹی رہو۔“ فریدی

نیز سکر اگر جواب دیگر
نیز بیاید نه فرماید
لذتی که این را می خواهد

”خاتمتوں نہ ہو۔“ تجھے نے اس کے بارے پر بات کر کتے
ہوئے کہا۔

”ووسری طرف نقاب پوش فریدی سے کہہ دیا تھا۔“ اگر تم
سے زو بیبا کا پتائے بتایا تو میں تھیں اسی الاؤ میں مجبون کر دکھ
دول گا۔“

”بُر فیلے جیداں میں جب ہم سفید بھروسی کا شکار کرتے
ہیں تو آگ بھارتے یعنی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔“
فریدی کا جواب تھا۔

نقاب پوش نے ہاتھ رکھا۔ شاید وہ فریدی کے نہ
پر بھیر ملنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن دونوں ہی ہاتھ
فریدی کے دونوں بھیر اس کے سینے پر پڑے اور وہ دُور چلا۔
”میرے خداک“ ڈالی آہستہ سے بولی۔ ”کتنا بھر تلا ہے؟“
بھراں سالوں نے فریدی پر بلغوار کر دی۔ اس کے دونوں
ہاتھ پر نہیں ہوئے تھے لیکن جیدا شش در رہ گیا۔
کیونکہ وہ ابھی تک اس سے بے خبر تھا کہ فریدی صرف بھروسی
کے بھی لا سکتا ہے۔ وہ اچھل اچھل کر انہیں لا لیں رسید کر دے
تھا اور ان میں سے کوئی بھی ابھی تک اسے ہاتھ بھی نہیں لکا
سکا۔ ڈالی نے جیدا کو جنہوں کو کہا۔ ”تم یہاں پڑے کیا
کر دے گو۔“

”شیش کر دلے ہوں جزا آنے لگے۔ ایسی لڑائیاں
فرمودنے میں نظر آئیں۔ فراد کی جو بھرے شیر کو باختہ بندھے
بُونکے پاؤ جو نہیں اپنی کس طبع بینک کر دے لے ہے“
”کھیار اور ماع اتنیں خراب ہو گیا وہ بے پارہ تھیں
اوہ میر پستول مجھے مدد میں الٹے کچھ لوں لگی“
”صحرہ اجلدی سر کر فراز سے خطرے یہ دیکھ کر خاموش
ہیں رہ سکتا ہے“

”کیا اس سے بڑھ کر ہمیں کوئی خدا کا پکرشن پڑے گئی ہے؟“

”اوہ نہ سمجھو، اس نقاب پوش نے بلوار انکال لیا ہے“
لی خمید کو جھونڈ کر بولی۔ دوسرا ہے ہی لے جمید کے رپورٹ
کے شعلہ نکلا اور نقاب پوش تھی مارکر نہیں پہنچیا۔ کوئی
بیدی پر قابو نہ کی کوئی شش کر رہا تھا۔
”خود ادا کوئی نہیں اپنی عکسے جنتش نہ کرتے“ جمید

دہڑا۔ اپنے ہاتھا درپاٹھا لو۔

وہ سب جہاں تھے وہیں رُک گئے۔

”سلیم کے ہاتھ کھول دو۔“ حمید نے چڑاہنیں لٹکاڑا۔ علی

کرو۔ تم سب میری نظروں میں ہو۔ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑ دیں کا۔

نقاب پوش نے زینت سے ٹھنڈا پالا۔ لیکن حمید شایک

ہواںی فائرنگی کر دیا۔ اس نے تو اپنی دانست میں ہوائی فائر

کیا تھا۔ لیکن اتفاق سے گولی نقاب پوش کی نلٹ بھیٹ پر

پڑی اور وہ اچھل کر الاڈ میں جاگری۔ نقاب پوش کھڑا سر

سہلا رہا تھا۔

”چلو۔ جلدی کھولو۔“ حمید پھر دیا۔

”تم کون ہو؟“ نقاب پوش چیخ کر کردا۔ اس کے دامنے

لہجے سے خون پیک رہا تھا۔

”بیڑا! اڑاڑنیں دو۔ شکاریوں کے علاوہ تیسرا کون تھا؟“

حمد نے جواب دیا۔

”وہ ان لوگوں کی طرف بول رہی ہو جیسے قانون کی نواسی

شکاری کو اپنے ساتھ لے گا۔“

دفعۃ حمید نے فریدی کو نقاب پوش پر چلانگ لگاتے

دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی آناؤ نظر آئے شاید اسی

جد و جهد کے دوران میں رتی کی بندش ڈھلی ہو گئی تھی اور وہ

اپنے ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمد نے بھی لاری کی چھت سے چھلانگ لگائی۔ رومنا

طرف نقاب پوش فریدی کو جھکانی دے کر ایک طرف بھاگ

نکلا تھا۔ لیکن وہ ساتوں اب بھی دیہیں کھڑے تھے اور ان کی

نظریں حمید کے ہاتھیں دبے ہوئے ریلو اور پریشیں۔ فریدی

نقاب پوش کے یونچے دوڑا تھا۔

”ذالی...“ حمید نے آواز دی۔ بھی تھہداری مدد

کی ضرورت ہے۔

”اس سے کیا فائدہ ہو گا؟“ ان میں سے ایک آنکھی بھرائی

ہوئی آواز میں بولا۔ وہ تو نکل ہی گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ

کون ہے؟“

”اوہ میرا چھٹا سجاہی تھا۔“ اس کی فکر مت کرو۔ ”حمد

نے جواب دیا۔

”ذالی لاری کی چھت سے پہنچتے ہیں اور آنکھی تھی۔“ حمید

آواز دینے سے تربیت آگئی۔

”تم ذرا پستول نے کران پر نظر رکھو۔“ حمید نے اس کا

پستول ایک کوہنے کرتے ہوئے ٹھکرایا۔ تاکہ میں انہیں پیک کو سکوں۔

ڈالی نے پستول کا رُخ ان کی طرف کر دیا اور حمید پر ایک کی ٹھانی کھول کر اسی سے اس کے ہاتھ باندھنے لگا۔ وہ منت کے اندر ہی اندر اس نے ساتوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں ذکر کیے جانے والے مولیخین کی طرح زمین پر گردادیا۔

”غیرت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے ہو۔“ اس نے کھپا اور اپنی ہیب میں تباہ کو کی پاڑی خٹونے لگا۔

”ہم... بالکل...“ ایک آدمی نے کچھ کہتا چاہا لیکن حمید نے ٹھوکر مار کر اسے خاوش کر دیا۔

”اب ان کا کیا کرو گے؟“ ڈالی نے پوچھا۔

”کسی اپنی چٹان سے شیخچینک دیں گے؟“ حمید نے پیروانی سے کہا۔

”تم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے؟“

”اخاہ! تم اس طرف بول رہی ہو تو جھپڑا اغصہ فضیل ہے۔ حققتاً میرا یا جیسی ہو۔“

”انہیں میرے ہاتھے کر دو۔“

”یا انہیں ان کے ہاتھے کر دو۔“

”میرا پستول اس وقت میرے ہاتھیں ہے پر نہ چھولو۔“

”اوہ...!“ حمید نے پوکھلنے ہوئے انہیں اپنے دلوں ہاتھوں پر اٹھا دیے۔

”اب ایک ایک کر کے انہیں اٹھاو اور لاری میں لے چلو۔“ ڈالی نے تھکانہ لیجھ مک کہا۔

”جب... بہت اچھا،“ حمید خوف زدہ سی آواز میں

ہٹکایا۔ لیکن پھر کیک بیک ڈالی کے سر پرے دوسری طرف

دیکھتا ہوا پرستست نہیں یہی چھکاڑ پکڑ لیا۔“

ڈالی بے ساختہ اور ہرڑی لیکن دوسرا ہے ہی لمے

حمد کا ہاتھ اس کے ریلو اور والے ہاتھ پر چھکاھا۔

ڈالی کسی بھرپری ہوئی شترنی کی طرف بلٹ پڑی گر پستول

تو اب حمید کی جیب میں بیچ چکا تھا۔

”راوی اس کہہ اپنی کو اس طرف بیان کرتا ہے کہ جب

کلے دلیونے نیلم پری کے ہاتھ سے پستول چھین لیا تو حمید نے

کہا اور کھانے لگا اور ساتھ ہی وہ ڈالی کے ہاتھی بھی روکتا جا رہا تھا۔ یہ کھل جند منٹ تک جاری رہا پھر ڈالی تھک مار کر

بیچ ہٹ گئی بُری بُری طرح ہانپہ ہی تھی۔

”میں چھپانا پڑے گا۔“ وہ اپنی ساتوں پر قابو پانے کا لذت بخاں کیں خود

اس نے گاڑی ٹڑاٹیو کرنے کی بیش کش نہیں کی کیونکہ وہ ڈالی پر ہر لفڑی نظر کھنا چاہتا تھا۔

فریدی ٹڑاٹیو کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید اور ڈالی قیدوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے بتایا کہ وہ نقاب پوش کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔

حمد نے اسے دوڑی ڈالی میں ڈالی کے ساتھ بتاتے ہوئے پوچھا۔ آپ اتنی آسانی سکان کے ہاتھ کیے آگئے تھے؟

”بس اتفاق۔ وہ کافی جو میں نے منگولی تھی نش آور کوڑی کئی تھی اور یہی اچھا ہوا تھا کہ تم اپنی بیساکی بھرے غیر اٹھ کر رقص کی طرف چلے گئے تھے مگر تعجب ہے کہ انہوں نے تمہیں یا سکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔“

دفعۃ فریدی کا نہ پورے بریک لگادیے اور لاری ایک جھککے کے ساتھ کیک لگی۔ سامنے سڑک پر تین آدمی اس طرف لیتے ہوئے تھے کہ انہیں بچا کر لاری ڈال کے جاننا ملک تھا۔

”دھمکے سے تھا کہ انہیں بچا کر لاری ڈال کے جاننا ملک تھا۔“

”میں کیا کر دیا؟“ ڈالی نے پوچھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ ڈالی دامت پس کر دی۔

”اگر تم ہی کیجی ہو تو جھپڑا اغصہ فضیل ہے۔ حققتاً میرا

میرا دماغ اٹ لیا ہے اور اب ناچلتے ناچلتے انہیں کے کرکی کھٹے

ہیں کو دجاوں لگا۔ تھیاری جیلی بن جائے اور سرا جام۔“

”ارے... بچاؤ... بچاؤ! یہ کیک ڈالی پوکھلانے سے

ہوئے انہیں چینی ہی۔“

”ارے... بچاؤ... بچاؤ!... بچاؤ!...“ ڈالی تھریا روتے

ہیں چھپا کر دیا۔“ ڈالی نے ہاتھ میں نہیں اٹھا کر دیا اور لاری میں لے

تھکا دیا۔ ڈالی کے ہاتھیں سرسریں اور دھرمے ہی تھے۔ فریدی

فریدی ان کے سامنے کھڑا۔ انہیں حیرت سے دیکھا۔ ڈالی اسی طرف ناچتا تھا۔

”بچاؤ!... بچاؤ!... بچاؤ!...“ ڈالی تھریا روتے ہوئے پوچھا دی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ فریدی ان کی طرف بڑھا۔

”میں ڈالی کے ہاتھیں سے ڈالی کو ادھر ادھر دھکیلتا پھر رہا تھا۔“ فریدی نے

ڈالی کی سرسری بیک بیک کی کوئی تھکانے نہیں دیا۔ حمید نے

”یہ کہاں پکڑا؟“ ڈالی نے کہا۔

”چلو!“ فریدی حمید کی گردنگ پر ٹھکرایا۔ ڈالی میں کھڑا تھا۔

بعد وہ سب لاری میں ہٹک گئے۔ حمید کو رہے کا انداز بخاں کیں خود

اس نے گاڑی ٹڑاٹیو کرنے کی بیش کش نہیں کی کیونکہ وہ ڈالی پر ہر لفڑی نظر کھنا چاہتا تھا۔

فریدی ٹڑاٹیو کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید اور ڈالی قیدوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے بتایا کہ وہ نقاب پوش کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔

حمد نے اسے دوڑی ڈالی میں ڈالی کے ساتھ بتاتے ہوئے پوچھا۔ آپ اتنی آسانی سکان کے ہاتھ کیے آگئے تھے؟

”بس اتفاق۔ وہ کافی جو میں نے منگولی تھی نش آور کوڑی کئی تھی اور یہی اچھا ہوا تھا کہ تم اپنی بیساکی بھرے غیر اٹھ کر رقص کی طرف چلے گئے تھے مگر تعجب ہے کہ انہوں نے تمہیں یا سکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔“

”میں کیا کر دیا؟“ ڈالی نے پوچھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ ڈالی دامت پس کر دی۔

”اگر تم ہی کیجی ہو تو جھپڑا اغصہ فضیل ہے۔ حققتاً میرا

میرا دماغ اٹ لیا ہے اور اب ناچلتے ناچلتے انہیں کے کرکی کھٹے

ہیں کو دجاوں لگا۔ تھیاری جیلی بن جائے اور سرا جام۔“

”ارے... بچاؤ... بچاؤ! یہ کیک ڈالی پوکھلانے سے

ہوئے انہیں چینی ہی۔“ ڈالی تھریا روتے ہوئے پوچھا دی۔

”ارے... بچاؤ... بچاؤ!... بچاؤ!...“ ڈالی تھریا روتے ہوئے دیکھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ فریدی ان کی طرف بڑھا۔

”میں تو بھی درہی تھی۔“ ڈالی بھرپور پکڑا۔

”کیا تم سچے تھے کہ میں کا نپر رہی ہوں؟“

”بُری بُری طرح ہاں پہنچا۔“ ڈالی تھریا روتے ہوئے پوچھا دی۔

”یہ کہاں پکڑا؟“ ڈالی نے کہا۔

”چلو!“ فریدی حمید کی گردنگ پر ٹھکرایا۔ ڈالی میں کھڑا تھا۔

”میں تو بھی درہی تھی۔“ ڈالی بھرپور پکڑا۔

”کیا تم سچے تھے کہ میں کا نپر رہی ہوں؟“

"ذاذور سے ہنسو ڈین تاک وہ گولیاں چلانے کے بجائے شاعری کرنے لگیں۔"
پھر کچھ گولیاں لاری سے ٹکرائیں اور قیدی پھر جنپے لگے اور اسی اشتایں لاری بھی حرکت میں آجی مگر فریڈی نے اسکی ہیڈ لائٹس نہیں روشن کی تھیں۔

فائزہ بارہ بہتے رہے تھے۔ حمید نے بھی انداز اندازیں رائٹہ چلائے لیکن فریڈی کے خالی کے مطابق وہ گولیاں غلائی کرتا ہی تھا۔ اچانک یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور لاری پھٹک پھٹول کے بل سڑک پر گھنٹے لگی۔ جلا اور دل نے اس کے دلوں پھٹے پھٹے بیکار کر دیے تھے۔

مجموعہ لاری رک دنی پڑی لیکن حمید باہر قدم بھی نہیں رکے سکا تھا کہ اس پر کھائیوں کا دوڑہ پڑ گیا۔ ہرف وہی نہیں بلکہ لاری میں ملٹھے ہوئے بھی آدمی بُری طرح کھافنس رہے تھے اور فضا میں ایک بو جملی بُر قص کرتا پھر بھی تھی۔ ایسی بُر جس سے دم گھستا ہوا ساموس ہو رہا تھا۔ ڈالی کی گرفت حمید کے بازوں پر ہوتے ہوئے تھی۔ شاید وہ کھلتے کھلتے تھیں کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ حمید فریڈی کو بھی کھلتے سے رہا تھا۔

حمدیہ کا سر چکرا ہاتھا۔ تھوڑی بھی دیر بعد اسے الیسا محسوس ہونے لگا تھے وہ اپنے ذہن کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ ساتھ ہی اس کے باخوبی سر میلے، ہمنٹے لگے پھر فضائیں پھکرانے والی بدلوکا اس سبھی فنا ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس درجت ہو چکا تھا۔

پھر دیوار جب اس کی سوچنے لگتے کی صداقت واپس آئی تو وہ اپنی جگہ سے جبش بھی نہ کر سکا جو عکس کا سارا تیسم رستی سے جکڑا ہوا تھا۔ وہ زبان بھی نہ ہلا کیا بھوکھ مٹھی میں حلقتک کپڑا اٹھا ہوا تھا اور سانس لینے میں بھی دخواری محسوس ہو رہی تھی۔

پھر دیر بعد اس سے محسوس کیا کہ سفر منور جماری ہے، لیکن گاؤں میں اندر ہمراحتا۔ دیسے یہ تو معلوم ہی کیا جاستا تھا کہ گاؤں بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف جا رہی ہے۔ حمید، فریڈی اور ڈالی کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا وہ بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ اس نے کروٹنے کی کوشش نہیں کی جاتا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر ہی کے کمرے میں بیٹھا ہو۔ پھر پرتوش کا سے اس کی بیٹھہ بہت شدت سے لگتے تھیں۔ البتہ

سوچا جمکن ہے وہ کسی لاری کی پستی کی سیٹ پر پڑا ہوا درکروٹ لیتے ہی پیچے جا گرے۔ دسی بُری طرح اس کے جسم میں چچھوڑ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا اس کی طرح وہ بے ہوش ہو گیا، اسے وہ بدپرواہا تھا۔ غالباً وہ کسی قسم کی ٹیکس تھی جس کے ذریعہ انہیں پے ہوش کیا گیا تھا۔

پھر دیر بعد پھر تکلیف کا احساس ہونے لگا اور بس کا ڈن بھرتا رہ یکوں میں دووب گیا۔

ڈسمری بارہ ہوش آنے پر اس نے اپینان کا سانس لیا کچھ نکا اب وہ اپنی جگہ سے درجت بھی کر سکتا تھا اور ضرورت پڑنے پر ملی تھیت بھی کا سکتا تھا کیونکہ نہ تواب اس کا جنم رہی سے جکڑا ہوا تھا اور نہ بھی مٹھیں پکڑا ہو جو درجہ تھا کہ یہیں ہلکی رُشنی کا ایک بلیں رُشن تھا۔ اسے فریڈی اور ڈالی بھی نظر آئے۔ فریڈی ایک دیوار سے نیک لگائے بیٹھا سکا پی رہا تھا اور ڈالی ابھی بے ہوش تھی۔ جمید بھی اٹھ کر بیچو گیا۔ اس کمرے میں فریڈی قسم کی کوئی جیز نہیں تھی لیکن دیوار دلی بے نقوی دل کے متقد فرم نظر آ رہے تھے۔

فریڈی حمید کی طرف دیکھ کر منکریا اور حمید ڈالی کی طرف دیکھ کر سر ہلنے لگا۔

یہ کہاں آپھنے؟ حمید نے بھجہ دیر پید کیا۔
میرا خیال ہے کہ اب ہم اسی آدمی کی قید میں ہیں جس نے زد بیا کو انداز کرایا تھا۔

اور مقصود صرف اتنا ہے کہ وہ زد بیا کو دوبارہ عاصل کرنا چاہتا ہے۔

حمدیہ ایک طویل سانس لے کر ڈالی کے چہرے پر نکاڑا دی پھر فریڈی سے پوچھا۔ کیا میں اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کروں؟

یعنی یہ لوں ہی بے ہوش پڑی رہے؟
یہی مناسب ہے درد نمیری کو ٹپی کام کرنے کے قابل نہ رہنے دو گے۔

حمدیہ اٹھ کر ڈالی کے پاس ہٹنگ لی اور فریڈی اسے غصیلی نظر دیں۔ لیکھتا ہاں لیکن بولا کچھ نہیں۔ حمید نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر تخریج کر دیں۔

فریڈی سکارے کش لیتا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر ہی کے کمرے میں بیٹھا ہو۔ پھر پرتوش کا

"یکوں بھائی کے لیے ہے میں ہیرت تھی۔"
پتا نہیں کس لگھئے نے متنیں ملکہ سرائے رسانی کے لیے منتخب کیا تھا؟
"کیا مطلب؟" حمید کیک بیک اچھل پڑا اور ڈالی کے چہرے پر ہوا شیان اڑنے لگی۔
"آپ قائم آباد براج کی ایک سب اس پکڑی ہیں" فریڈی نے خشک لہجے میں کہا۔ میں مونا گرا ہیں۔
"اغاہا!" حمید با تھجس بچاڑ کر بولا۔ تب تو ان کے کتاب بے حد لذیذ ہوں گے؟
"ہیزین" فریڈی ڈالی کی طرف ہاتھ بڑھا کر خشک ہیجے میں بولا۔
"ڈالی نے سر سے ہیزین نکال کر دیتے ہوئے کہا۔
تم مجھے کب سے جانتے ہو؟
اسی رات سے جب تم نے اپنے کاغذات پر اڈاٹر کے پارک میں جگہ چھپائی تھے۔ اس یہے چھپائی تھے کہ کہیں وہ اگر گلہ کے سرائے رسالوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ تم اس کارنا نے میں کسی کو شرکیک نہیں کرنا چاہتی تھیں۔
"کیسا کارنا میر؟"
انز جین۔ فریڈی نے آہستہ سے کہا۔
"تم کون ہو؟" ڈالی خوف زدہ او اوز میں بولی۔
"شکاری۔ تمہارے کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔"
"تھاہرے پاس کیوں؟"
میں نے انہیں وہاں نہیں رہنے دیا تھا جہاں تم نے چھپایا تھا۔
تم کسی سرکاری سرائے رسال کی نوہ میں رہو گے؟
سرکاری سرائے رسال؟ حمید نے مصنوعہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ہم اس کمرے میں جانا چاہتے ہیں کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ لہذا اس دروازے کو کھو لئے کو شکر کرو۔
اوہ! ہیزین؟ ڈالی نے یہ ساختہ کھا اور کھنکی کے سوراخ کی طرف دیکھنے لگی۔
کو شکر کرو۔ فریڈی نے اُسے دائب کرتے ہوئے کہا۔
ڈالی کے قفل پر تھک کر پڑی لیکن تقریباً پانچ ڈالی ہیزین لے کر قفل پر تھک کر پڑی لیکن تقریباً پانچ

منٹ بھکر کو شکر کرنے کے باوجود بھی قفل کھولنے میں
کامیاب نہ ہو سکی۔

”چلو، ادھر ہلو، ہیڑ بن بھج دے دو“

فریدی نے بیڑ پنے کے کمر حمید کی طرف بڑھا دیا اور حمید
نے قفل کھولنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لیئے۔

”اس طرح قفل کھول لینا چوروں اور احتجانی گروں کا
کام ہوتا ہے“ ڈالی بُرا سامنہ بتا کر ٹبرڈی اور وہ دونوں
منٹ لے پھر فریدی نے دروازہ کھولا۔ اس کمرے میں نیلے
رینگ کا بلب رعنائی تھا۔ فریخ مرموٹ فلم کی ایک میز، دو کرسوں
کا ایک شیلف اور ایک پلنگ پر مشتمل تھا۔ پلنگ پر ایک
بوڑھا آدمی سوتا نظر آیا۔ یہ کچھ بیمار سامنے ہو رہا تھا۔ فریدی
نے ایک اچھی ہوئی سی نظر چاروں طرف ڈالی اور آہستہ اہستہ
پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

”دفعتہ بوڑھا جاگ پڑا۔ وہ بھٹی پھٹی آنکھوں سے ان
تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے بھترانی ہوئی اور اس کی کہا۔ ”تم کون ہو؟“

”جور“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”یک تم شور نہیں جیا مگر گے۔ یہ بہلی اور رینگ وارنگ ہے“

”پور؟“ پور نے آہستہ سے دیکھا ایسا درونہ جلتے
کیوں اس کے پھر سے پر مسٹرت کی لہری نظر آئنے لگیں۔ وہ
انٹھکر بیٹھ لیا اور آہستہ سے بولا۔ ”جھاتی جور مچھے یہاں سے
کسی طرف نکال دو۔ اس کام کی ختنہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔“

”ادہ... تو کیا ہیں کسی نے قید کر رکھا ہے؟“

”ہاں! ایک احسان فراموش کرتے۔ تم مجھے کسی طرح
یہاں سے نکال دو۔ دیسے میرا خیال ہے کہ تھیں یہاں کوئی
قیمتی پیزیز نہیں کیے گی کیونکہ یہ صرف میرا قید خانہ ہے“

”یہ شاید پاگل ہے“ فریدی نے حمید کی طرف
نگہداشتا جھاگیا ہو۔ وہ سورج رہا تھا کہ ہیں ڈالی اس دروازے
کی طرف تھے دیکھنے لئے جسے کھول کر وہ دوسرے کمرے میں بہپنے
تھے مگر ڈالی نے اس قسم کی کوئی حادثہ سرزد نہیں کی۔ حمید ان

چاروں کو بھی انکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ انہیں قم رہا۔
تعاصوں میں سے تھے جنہیں وہ بیراڈ انہیں دیکھ جکھاتا۔ ڈالی بھی
کم تھیں نہیں معلوم ہوئی تھی۔ دفعۃ ایک ادمی اور اندر آیا۔ یہ وہی
 منتظم ناگری تھا جس کے ساتھ حمید تھے ایک بار پیراڈ انہیں میں
کافی بی تھی۔

”اودھ! مسٹر ناگری“ حمید نے پر مسٹرت لہجے میں کہا۔
”یاں، میں ہی ہوں۔ ناگری خشک لہجے میں بولا۔“ بچ
ہونے سے پہلے ہی قم تینوں... اور... وہ کہا ہے۔ ”ناگری
جا، اس طرف دیکھنے لگا پھر رہا تھا بلکہ دراڑا۔ وہ کہا ہے۔“

فریدی کے ایک طویل سانس کھینچی اور سمجھ دیتا۔

”ریوالور تو نہیں دیے جاسکتے“
”تب پھر مجبوری ہے۔ تم بھی صیر کرد تو دوسری طرف سے
آواز آئی۔“

ناگری کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر انے لگے۔ وہ کچھ
سروچ رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اپنے
ریوالور سے دے دو۔
”چھلے تم اپنان کا دو“ حمید نے کہا۔

”میرے پاس نہیں ہے۔“

”میں تلاشی یہے بنیز مطہر نہیں ہو سکتا۔ میں یہیں
جانستا ہوں کہ تم اپنا دہنہ اتنا بھرا استعمال نہ کر سکے گے کیونکہ وہ پہلے
ہی زخمی ہو چکا ہے میکن بائیس ہاتھ کو کون روک کے گا۔“

”تم میری جامد تلاشی سے سکتے ہو“ ناگری نے کہا۔
حمدی نے آگے ٹھہر کر اسے پیچے سے اور تک مٹھوا اور
چھڑاں کے دہنے سے ساتھیوں کی طرف فرما گیا۔ انہوں نے اپنے
ریوالور اس کے حوالے کر دیے۔ ڈالی خاموش کھڑی اپنا پشا
ہونٹ چبار ہی تھی۔

”انہوں نے ریوالور میرے حوالے کر دیے ہیں۔“ حمید نے

نفاست پسند

”یہ بہت ہی اچھا... مکینک معلوم ہوتا
ہے۔ میں پچھلے پندرہ منٹ سے اسے دیکھ رہا
ہوں۔ اس کار پر کام کرتے وقت اس نے تمام
اوزار صاف کر کے استعمال کیے۔ کیس موبائل آکل
وغیرہ کا ایک قطرہ بھی گرنے نہیں دیا اور نہ ہی
گریس کا کوئی دھما کار پر لگنے دیا۔ کار کا بونٹ
اس نے نہیں کیا۔ اس نے نہیں کیا۔ اس نے نہیں کیا۔
اس پر اپنے گندے ہاتھوں کے نشان نہیں لئے
دیے۔ صاف کپڑے سے ہاتھ پونچھ کر اس نے
دروازہ کھوا۔ سیٹ کورس کو اپنے کپڑوں کی سیاہی
سے بچانے کے لئے وہ سیٹ پر ایک ساف کپڑا
بچانے کے بعد بینا۔ گاڑی کو وہ اتنی احتیاط اور
آہنگ سے چلاتے ہوئے لے گیا کہ ذرا بھی
کھڑک رہت اور گزگڑا رہت سنائی نہیں دی۔“

”آپ سمجھ نہیں سکتے۔ اس ساری احتیاط
پسندی اور نفاست و نزاکت کی وجہ صرف یہ تھی
کہ وہ کار مکینک کی اپنی تھی۔“

ناگری چاروں طرف دیکھنے لگا پھر رہا تھا بلکہ دراڑا۔ وہ کہا
ہے۔ ورنہ میں تمہاری دھمیاں اڑا دوں گا۔“

”میں دیتیں۔ مسٹر ناگری یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو ہیں یہ
کہنا چاہتا ہوں کہ وہ انہیں کے تین گلاس میں گیا تھا۔“

”یہاں کو دھوالاں بن کر روشن والوں سے باہر نکل گیا“ حمید
لے کہا اور ڈالی کی طرف دیکھ کر لوٹا کیوں ڈارنگ؟“

”ڈالی چھلانگی اور اہمیتی غصے کے عالم میں اس نے ناگری
لے کہا۔ وہ اس کمرے میں ہے۔“

”پتا تھا اس الفاظ تھے یا ناگری کے لیے بھی کامنزٹ، یہ بھی
وہ بے ساختہ اچھل کر دروازے سے جانکا۔“

”وہ اس طرح دروازے دھر رہا تھا جیسے خبری
نہ ہو کر دوسری طرف سے بولٹ کر دیا گیا ہے۔“ دفعۃ دھجینے
لگتا ہے۔ .. باہر آؤ وہ میں ان دونوں کو جان سے مار
ڈال گا۔“

”میں اس بوڑھے کا لگا گھوٹ کر تمہارا کھیل بھی نہ کر
ڈول گا۔“ دوسری طرف سے فریدی کی آئی اور ناگری
ستانے میں آگیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا جنم روح
سے خال ہو گیا ہو۔

”تم کون ہو؟“ اس نے کچھ دیر بعد بھترانی ہوئی آواز اپچا۔

”ایک شریف ادمی جس کی بسرا اوقات کا ذریعہ تم جیسے کہنے
لگ بدن جاتے ہیں بولو... زو بیسا کیے کتنی قم دے سکو گے۔“

”اس ایسچ پر اگر ہمارا سو دا طے ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے گا۔“
ناگری نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی پیشانی
کی تھی ابھرائی تھیں اور وہ اس طرح ہاتھ پر اس کے کھینچے
دیتک دوڑتا رہا ہو۔

”تم اپنا نمازہ متاؤ کھجے اس سلسلے میں کتنی رقم صرف
کرنی چاہیئے؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”پہنچس ہر زر سے کوڈی قم نہ لوں گا۔“

”ایہ بہت زیادہ ہے۔ اچھا چلو دس ہزار پر معاملہ کر لوٹ
ہے۔“ پہنچس ہر زر سے فریدی نے جواب دیا۔ ورنہ دوسری صورت
میں ہم شاید اس سے بھی زیادہ کمائیں۔“

”چلو۔ مذکور ہے باہر آؤ۔“

”یوں نہیں۔ تم بے ریالور میرے ساتھی کے حوالے
گرو۔ میں اتناڑی تو نہیں ہوں۔“

”تمہارا نام؟“

”ناصر۔ لوگ مجھے داکٹر ناصر کہتے ہیں۔“

”تمہیں کس نے قید کیا ہے؟“ ڈالی پوچھ جیسی تھی۔

”اسے یہاں سے لے جاؤ۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”کیا؟ نقطی نہیں۔“ ڈالی نے غصیل ہیے میں کہا۔“ تم ہرگز
ایسا نہیں کر سکتے۔ ساری عمر جیل میں سڑا دوں گی۔“

”ارے بس آڈ بھی۔“ حمید نے اس کا ماہا تھا بلکہ کھینچنا جاؤ۔

”پھر کمرے میں آیا جہاں وہ بچھ دی پہلے تھے۔“

”پتا تھا اس کے ساتھ ذریعہ کے لیے بھی کامنزٹ، یہ بھی
وہ بے ساختہ اچھل کر دروازے سے جانکا۔“

”اس سے پہلے ہی تمہارے کتاب لگاؤ گا۔ ہم دونوں

”تم اپنے ہاتھوں اپنی قبریں کھود رہے ہو۔“

”اتب تو ہم کمال کر رہے ہیں۔“ تم کوئی ایسی مثال نہیں
پیش کر سکتیں جب کسی نے ابھا قبر کھودی ہو۔ دیسے تم خواہ خواہ

لود ہو رہی ہو۔“

”حمدیکچک کہنے ہی دالا عطا کو کسی نے بائیں جانتا والا
دروازہ کھولا۔“

”تیسرا کہاں ہے؟“ ان میں سے ایک نے گن ج کر لپچا۔

”اب رحیدہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے میں
گھر استانا جھاگیا ہو۔ وہ سورج رہا تھا کہ ہیں ڈالی اس دروازے
کی طرف تھے دیکھنے لئے جسے کھول کر وہ دوسرے کمرے میں بہپنے
تھے مگر ڈالی نے اس قسم کی کوئی حادثہ سرزد نہیں کی۔ حمید ان

چاروں کو بھی انکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ انہیں قم رہا۔

تعاصوں میں سے تھے جنہیں وہ بیراڈ انہیں دیکھ جکھاتا۔ ڈالی بھی
کم تھیں نہیں معلوم ہوئی تھی۔ دفعۃ ایک ادمی اور اندر آیا۔ یہ وہی
منتظم ناگری تھا جس کے ساتھ حمید تھے ایک بار پیراڈ انہیں میں
کافی بی تھی۔

”اودھ! مسٹر ناگری“ حمید نے پر مسٹرت لہجے میں کہا۔

”یاں، میں ہی ہوں۔ ناگری خشک لہجے میں بولا۔“ بچ

ہونے سے پہلے ہی قم تینوں... اور... وہ کہا ہے۔ ”ناگری
جا، اس طرف دیکھنے لگا پھر رہا تھا بلکہ دراڑا۔ وہ کہا ہے۔“

”عمارت یا محلے کا نام نہیں بتا سکتا۔ البتہ قائم آباد ہے
یہ رہتے ہیں۔“

فریدی کے ایک طویل سانس کھینچی اور سمجھ دیتا۔

بلند ادازہ میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ناگری کے واہنے ہاتھ پر پڑی جو بیند منجع سے دھکا ہوا تھا۔

”کام کی بات کرو“ ناگری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ میں زو بیا کی قیمت میں بالکل نہیں سمجھا۔

”کیا مطلب؟“ ناگری بوکھلا گیا۔ اس نے مفطر بانداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ جس نے درلو الور تو جیبوں میں ڈال یئے تھے اور درلو الور میں سے ایک کارہنخ ناگری کی طرف کر دیا تھا اور دوسرے کا اس کے چاروں ساقیوں کی طرف۔

”دھوکا۔“ ناگری آہستہ سے بڑرا یا۔

”محوری ہے دوست۔“ فریدی نے مسکا کر کھانا لفاقت سے یہاں ایک سرکاری سرانچ رسال بھی موجود ہے ورنہ میں

استاد چاہبز کبھی ہاتھ سے نہ جلنے دیتا۔ ان سے ملوی ہیں مس

موناگر اہم قائم آباد کی ایک سرکاری جاسوس۔ یہ داخل ہندی از جین کی فکر میں عقیل تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی زو بیا کا قلعہ نکل آیا۔

”اوہ! اسے جہنم میں جھونکو، کسی کو کاٹوں کاں خبر نہ ہوگی کہ یہ کھاں گئی۔ میں تیس ہزار لگاتا ہوں۔ زو بیا کا پتائیا دو“

”نہیں پہلے میں اسے از جین کے متلئ بتاؤں گا“ فریدی نے ڈال کی طرف دیکھ کر کھا۔ ہاں مس گراہم از جین ایک نشہ اور مشروب سے بجود مانع مادوف کر کے جسم میں بجلیاں سی بھر دیتا ہے۔ اس کی پلٹی کھلے عام کی جاتی ہے لیکن اس کا بذنس اسی طرح ہوتا ہے جیسے کوئی وغیرہ کا یو پار کیا جاتا ہے توگ نیم مردہ رقصوں کے کمالات دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں ان سے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی جتنی کہ اس مشروب سے۔ بہر حال وہاں کے جال میں چیزیں جاتے ہیں اور اس مشروب کی سب سے بڑی بھجان یہ ہے کہ کدمی کام کا عادی ہو جانے کے بعد اس کے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا اور اگر وہ خود پر جسم کر کے اسے ہاتھہ لگاتے تو کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ خود کو چاق و خوبندر کرنے کے لیے اس مشروب کا استعمال جاری رکھے۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ ناگری نے کہا۔ از جین بہت جلد بازار میں آجائے گی۔

”ہو سکتا ہے لیکن وہ تمہارے اس مشروب سے بالکل مختلف ہوئی۔“

”ختم کرو“ ناگری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ میں زو بیا کی قیمت پچاس ہزار لگارے ہوں۔“

”یکوں ہمارا کیا خیال ہے؟“ فریدی نے ڈالی سے بچا۔

”آپ ہر حال میں قانون کی مدد کیجیے سلیم صاحب!“

ڈالی نے کہا۔

”دیکھا!“ فریدی نے ناگری کو مناطقہ کیا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟“

”تم لوگ یہاں سے نزدہ والیں نہیں جاسکتے۔“

”اوہ... وہ... حمید گردن جمعٹک کر بولا۔“ گوامیرے

ہاتھ میں رلو الور نہیں پڑنے ہیں۔“

”میرے لیے وہ پٹاخوں سے بھی کھتر ہیں۔“

”اشاید تم نے انہیں پی رکھی ہے؟“

”ان لوگوں نے ضرور پی رکھی ہے۔“ ناگری چاروں قامہا کی طرف اشده کر کے بولا۔ ان کے دماغ قابوں میں نہیں ہیں۔ یہ صرف میرے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ اگر میں انہیں حکم دوں تو تمہاری بوئیوں کا بھی پتanza چلتے۔“

”اچھا تو انہیں حکم دے دو۔ میں بھی دیکھ لوں کا اس مشروب میں کتنا ذرہ ہے؟“ فریدی نے بے پرواہی سے کھا اور حمید سے بولا۔ رلو الور جیب میں رکھ لو کیکن اس دروازے پر پڑے رہ جو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے اور اگر کوئی باہر سے اندر آئے کو شش کریے تو اسے بے دریغ گولی مار دینا۔ نہیں میں

”محید دروازے کے پاس جم گیا میں اس نے رلو الور جیب میں نہیں ڈالے تھے۔ اچانک وہ چاروں فریدی پر آپڑے۔“

ناگری نے انہیں حمل کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ فریدی نے ان کی کپیٹیاں سہلانی شرمند کر دیں جس کپنٹی پر بھی گھونسہ پڑا ہیں ڈھیر ہو گیا۔ شاید کسی ہی منت میں وہ چاروں فرش پر بے حس درخت پڑے ہوئے تھے۔

”آؤ۔“ فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر لے۔ تمہارے لیے بھی میدان صاف ہے۔“

کچھ خاک سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کے لیے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دوڑھیں ہے۔

”آپ آدم کیجیے ناصر صاحب!“ فریدی نے کہا۔ آپ بیمار ہیں، تھوڑی ہی دیر بعد ہم آپ کو ٹھیک ہو اتیں گے جیسے گے۔ چھر اس نے حمید سے کہا۔ ناگری کے ہاتھ باندھ دوادا مس گراہم اب تم جو کچھ کرنا چاہتی ہو گرد، تمہاری واپسی تک ہم ہیں ٹھہر سکتے گے۔“

دوسرے دن فریدی اور حمید قائم آباد کے سرکاری اسپتال میں ڈاکٹر ناصر کی زبانی اسفندیار کی کھانی سن رہے تھے۔

”ڈاکٹر اسفندیار، ناصر کہہ رہا تھا۔ ایک غظیم ادمی تھے۔ انہوں نے خود کو قوم کے لیے وقفت کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنے لالعاج امراض کے کامیاب علاج انہوں نے دریافت کیے۔“

محمود پربے خدا عناد کرتے تھے اور میں نے کبھی ان کے اعتاد و شعیں نہیں لگنے دی۔ وہ بے حد صروف ادمی تھے۔ ان کی

لیبار ہری ہی ان کے لیے سب کچھ حقی۔ اکثر وہ دنیک ہوا ہے تھے۔ اسی صرف و فیض نے انہیں کسی حد تک پڑا سارا بھی بتا دیا

تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ منظر عام پر کئے تو انہیں کام کرنے کا موقع نہیں ملتے گا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ صرف ان کا نام ہی ساختے رہے، صورت اشناز ہو سکے۔ یہ ناگری ایک میم اور لا دارث لڑا کا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی پروردش کی حقی کہ وہ ان کا داہنیاں بن سکتے۔

”میں اس لڑکی زو بیا کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی پروردش اتنے پر اسرا رطیق پر کیوں ہوئی۔ اسے یہ کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ڈاکٹر اسفندیار کی لڑکی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”اس پر بھی وہ ایک تجویز کر رہے تھے۔“ ناصر اٹھنے کی سائیں دکھل کر کوئی دکھلے۔ دراصل اس کے پیارا ہم تو نہیں۔“

”یہی تھیں۔ اس سے پہلے ہی سے ڈاکٹر کسی ایسے پیٹ کی تلاش میں مستحبے اپنے والدین کے متلوں کو جو بھی علم نہ ہو۔ ہاں مسٹر یہیں میں دو شکار کرنے چاہے۔ پروین پر شہر کی جانا ضروری تھا، یکوں کا ایک دن پہلے دونوں میں ٹراٹی ہوئی تھی۔“

”یہ سب بکواس ہے۔“ ناگری نے ایک ہدیانی سا تھقہہ لگایا۔ تم کسی حالت میں نہ تابت کر سکو گے۔“

”میں ثابت کر دوں گا۔“ بڑھنے کا ہاتھ نہ تھر نے کھا جواب اسی کرے میں آچکا تھا۔

”بڑھنے کا ہاتھ پاگل ہو گئے ہو، دفع ہو جاؤ۔“ ناگری ہاتھ پلاکر دیا۔

”نہک حرام کئے پاگل تو ہے! اس کا قاتل جس نے

کچھ خاک سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کے لیے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دوڑھیں ہے۔“

”کچھ حرام کئے پاگل تو ہے! اس کا قاتل جس نے

کچھ خاک سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کے لیے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دوڑھیں ہے۔“

کا علم ہو۔ اسی وقت انہوں نے ناگری ہی کے مشورے پر دو وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ وصیت نامہ مرتب ہو جلنے کے بعد ہی ناگری نے انہیں زبردست دیا اور مجھے اپنا یتی بنا لیا۔ مجھ سے جسر کو کے دہ پیکوں پر دستخط لیتا تھا اور ساس کوشش میں تھا کہ کسی طرح زوبیا کو اپنی طرف مائل کرے۔ اگر وہاں میں کامیاب ہو جانا تو چھڑا کر کری دو لیت اسی کی ہوتی۔ ویسے ہی وہ ڈاکٹر کے ایجاد کردہ نش آور مشروبات کی نامہ اسٹریجارت سے کافی بڑی بڑی رقمیں بنادیا تھا۔ ڈاکٹر کی دو ایجادات دوسرے مقاصد رکھتی تھیں لیکن اس نے انہیں غلط طریقہ پر روانہ کیا ہے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر ناہم نے بولتے بولتے تھک کر آنکھیں بند کر لیں اور دو دلوں کچھ دیر بعد اٹھ گئے۔ اسپال کے چالیکھ پر ڈالی سے ڈبھیر ہو گئی۔ وہ بڑی طرح مانپ رہی تھی۔

”میں آپ دلوں سے بے حد شرم مند ہوں“ اس نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے ہوئے کہا۔ مجھے ایسی انہی پہنچنڈیت سے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ کون ہیں خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجیے۔ میں نے بہت بد نیزیاں کی ہیں۔“

”اوہ، اس کی فکر نہ کرو“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ بہ جعل یہ تمہارا لیکر ہے۔ شام کو گرینڈ ہوٹ میں آکر مکمل روپیت لے جانا ہاں ناگری کا کیا رہا؟“

”اس نے اعتراف جوں کر لیا ہے جناب۔ اب زوبیا کو تار دیا گیا ہے کہ وہ تمام آپ کو بہتچ جائے۔ دام گرلز کی پولیس سے بھی ہتھیا کی گئی ہے کہ زوبیا کو ہیاں تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔“ حمید بے حد سنبھیدہ ہو گیا تھا اور اب اسے چھڑنے اس سب نہیں سمجھا تھا۔

”آپ کو تو میں نے بہت کچھ کہا ہے کیا ہیں؟“ ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔ کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے؟“

”دوچار دن اس پر غور کرنے کے بعد“ حمید نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔

چھڑاںی اسپال جلی گئی اور وہ سڑک پر آگئے۔

”اب میں بڑی طرح تنگ آگیا ہوں، اپنے لمحے سے“ حمید نے بڑا سامنہ بنایا کہا۔ یعنی کہ اب کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہونے پر سب سے پہلے یہ پوچھنا پڑے گا کہ اس کا تعلق محکم سرانع رسانی سے تو ہیں ہے اخذ اکی باری۔“

”لیکن وہ ایک ایسا بچہ کیوں چاہتے تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم ہو؟“ حمید نے کہا۔ ”اوہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ایسے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشووناکیتے ہوتی ہے۔ ان کے اعصاب پر اس احساس کا کیسا اثر پڑتا ہے کہ وہ نامعلوم والدین کی اولاد ہیں۔ اس طرح وہ نقیبات میں کسی نے باب کا اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں تو سب سے پہلے زوبیا کی پرورش ایک گونگی عورت کے ذمے ڈالی گئی جس کا نیتو خاطر خواہ نکلا۔ گونگی کے پڑدی جلت تھے کہ وہ اس کی لڑکی نہیں ہے۔ زوبیا نے ہوش سنی والا تو ہی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں کہ وہ گونگی کی لڑکی نہیں ہے لیکن اسے یہ بتانے سے قاصر تھی کہ وہ کس کی لڑکی ہے گونگی کی موت کے بعد یہ ذمہ داری مجھ سے اپنی۔ میں نے زوبیا کو بتایا کہ میں گونگی کا بھائی ہوں میں کن مجھے بھی علم نہیں ہے کہ اس نے اسے کہاں سے حاصل کیا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر اسفندیار اس ذہنی اور جسمانی حالت کا مشاہدہ کرے رہے تھے اور زوبیا کو میں نے یہ باؤر کلانے کی کوشش کی تھی کہ مجھے اس کی صحت کا بے حد خیال رہتا ہے۔ اس لیے میں ہر پہنچتے اس کا طبقی معاملہ کرائا رہتا ہوں۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ڈاکٹر اسفندیار کو ہر ٹوپی تجربات کی دھن رہتی تھی لاس نیماں انہوں نے اپنا سارا سر ماہی بھی میرے نام منتقل کرایا تھا۔ میرے ہی دستخط پر بینکوں سے لین دین ہوتا تھا۔ ویسے ڈاکٹر نے زوبیا کے حق میں ایک وصیت نامہ بھی مرتب کیا تھا اور اس اعتراف نامے پر میرے بھی دستخط تھے کہ یہ سارا سر ماہی ڈاکٹر اسفندیار کا ہے جو اس کی موت کے بعد ان کی لڑکی زوبیا کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔ یہ وصیت نامہ ڈاکٹر کے قانونی مشیر کے پاس محفوظ ہے۔“

”لیکن تجربہ مکمل ہو جانے کے بعد بھی زوبیا کو اندھرے میں کیوں رکھا گی؟“ حمید نے پوچھا۔

”اوہ! واقعی یہ ایک بہت بڑی سریجڈی تھی۔ ڈاکٹر نے تجربہ مکمل ہو جانے کے بعد چاہا تھا کہ زوبیا پر سب کو ظاہر کر دے مگر ناگری نے انہیں یہ سمجھایا کہ زوبیا ان سے نفرت کرنے لے گے گی۔ وہ سچے گی کہ اس کا باب کتنا ظالم ہے کہ غصی ایک تجربے کی خاطر اے بچپن سے اپنے ڈاکٹر ایک قسم کی بے بسی میں رکھا۔ یہ بات ڈاکٹر کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے فیصلہ کرایا کہ اب ان کی موت کے بعد ہی زوبیا کو اپنی حقیقت